بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۱۰ر فروری ۲۰۲۲ء مطابق ۸ر رجب المرجب ۱۴۴۳ھ | شمارہ نمبر ۷

اس شمارے میں

شعروادب		
مکہ کی زمیں اور عرش کہاں.....	ماہر القادری مرحوم	۴
اداریہ		
ماہِ رجب-صبر وتحمل اور تسلیم ورضا.....	محمود حسن حسنی ندوی	۵
وراثتِ نبوت		
عصر جدید کے چیلنجز اور قناعت پسند علماء	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
صحبتے با اہل دل		
نیک صحبت ایک عظیم نعمت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۲
دعوتِ اسلام		
خدارا سوچئے کہ علاج کیا ہے؟	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	۱۳
جادۂ حق		
صراطِ مستقیم اور اس کے بنیادی اصول	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۴
فکر معاصر		
قرآن کریم اور پُرامن معاشرہ	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	۱۷
آدابِ زندگی		
غیبت سے بچنے کا طریقہ	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	۲۱
احتسابِ نفس		
دنیا میں ایک مسلمان کی شان	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۴
بحث ونظر		
سائنس اور دانش گاہِ نبویؐ	ڈاکٹر محمد انس ندوی	۲۶
تعارف وتبصرہ		
دل وزباں کا اتصال-اساسِ فکر	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۸
پرانے چراغ		
کہکشاں کی انجمن میں ماہ تمام	محمد نفیس خاں ندوی	۳۰
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے -/75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڈ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

مکہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں یہاں پل بھر میں وہاں

ماہرالقادری مرحوم

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انساں سے انساں ٹکرائے

پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم وستم حد سے گزرے تشریف محمدؐ لے آئے

رحمت کی گھٹائیں لہرائیں، دنیا کی امیدیں برآئیں
اکرام وعطا کی بارش کی، اخلاق کے موتی برسائے

تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی، ذروں کے مقدر چمکائے

کچھ کیف دیا، کچھ ہشیاری، کچھ سوز دیا کچھ ساز دیا
میخانۂ علم و عرفاں میں توحید کے ساغر چھلکائے

ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیات نَو بخشی
صبحوں کے بھی چہروں کو دھویا راتوں کے بھی گیسو سلجھائے

اللہ سے رشتے کو جوڑا، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا، طوفاں میں سفینے تیرائے

تلوار بھی دی، قرآں بھی دیا، دنیا بھی عطا کی، عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا، جینے کے طریقے سمجھائے

مکہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں یہاں پل بھر میں وہاں
پتھر کو عطا کی گویائی اور چاند کے ٹکڑے فرمائے

مظلوموں کی فریاد سنی مجبوروں کی غمخواری کی
زخموں پہ خنک مرہم رکھے، بے چین دلوں کے کام آئے

عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے

توحید کا دھارا رک نہ سکا، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا
کفار بہت کچھ جھنجھلائے شیطاں نے ہزاروں بل کھائے

اے نام محمد صلِّ علیٰ ماہرؔ کے لیے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا، آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

☆☆☆☆☆

اداریہ

ماہِ رجب = صبر و تحمل اور تسلیم و رضا کا پیغام

محمود حسن حسنی ندوی

"اللّٰھم بارك لنا فی رجب و شعبان و بلّغنا رمضان".

(اے اللہ! رجب وشعبان میں ہمارے لیے برکت عطا فرما! اور ہمیں رمضان تک پہونچادے!)۔

ماہِ رمضان المبارک ایسا بابرکت مہینہ ہے؛ جس کی تیاری پہلے سے کرنا پسندیدہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیاری پہلے سے شروع فرمادیتے تھے۔ شعبان کا پورا مہینہ..... اس کے شب و روز اسی میں گذرتے؛ بلکہ رجب سے اس کی تیاری ہوتی۔ رجب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے؛ ان میں ایک بڑا اور وہ انعام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت و امتیاز ہے؛ ہوا: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا [سورۃ اسراء:۱] (پاک ہے وہ ذات، جس نے سفر کرایا راتوں رات، اپنے بندے کو، مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں؛ تاکہ دکھلاسکیں اس کو اپنی نشانیاں)، اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سے آگے..... اور بہت آگے..... آسمان کی بلندیوں تک پہونچا کر اولوالعزم انبیاء اور رسولوں سے ملاقات بھی کرائی گئی، اور سب کی امامت کرائی گئی، اور اس مقام پر بھی لے جایا گیا جو منتہی ہے..... نمازیں فرض ہوئیں..... پچاس فرض ہوئیں، پھر وہ کم کی گئیں، اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کردی گئیں، مگر اس کا اہتمام کیے جانے پر ثواب پچاس نمازوں کا ہی رکھا گیا۔ یہ معراج کا واقعہ اسی ماہِ رجب میں پیش آیا، اس سے نماز کے ساتھ معراج جُڑ گئی؛ نماز مؤمن کی معراج ہے، اور اس سے عروج حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ مہینہ ہے جو یاد دلاتا ہے طائف کے سفر کی..... جو واقعۂ معراج سے پہلے پیش آیا تھا..... اور جس کے غم و آلام اور مشقت و کدورت کی تلافی حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلاکر کی۔ کس جذبۂ و تعلق سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے طائف گئے تھے؛ کہ ان کو حق کی راہ دکھائیں..... ہولناک اندھیروں سے نکالیں اور دل کش و حسین روشنی میں لے آئیں..... دوزخ کی آگ اور اس کے عذاب سے بچائیں، اور جنت کی لازوال اور پُرتعیش نعمتوں میں پہونچادیں۔ راستہ کی کن مشکلات سے گذر کر وہاں پہونچے تھے..... جس میں تپتا ہوا صحرا بھی تھا..... لُو کے تھپیڑے بھی تھے..... پیروں کے نیچے دہکتے ہوئے سنگریزے تھے تو سر کے اوپر آگ اگلتا ہوا سورج تھا..... راستہ کی ناہمواریاں تھیں اور بلندی کی جاں گسل مسافت تھی۔ کیسی امیدوں کے ساتھ گئے تھے..... کیسے خوابوں کو آنکھوں میں سجائے ہوئے..... کیسی آرزوؤں کو دل میں بسائے ہوئے؛ کہ اہلِ مکہ نے ناسمجھی کا ثبوت دیا تو کیا ہوا؛ دُھتکار دیا تو کیا ہوا..... ظلم و عناد کی حد کردی تو کیا ہوا.....

حیوانیت پر اتر آئے تو کیا ہوا.....اہلِ طائف ضرور استقبال کریں گے.....محبت سے نوازیں گے.....استقبال کریں گے اور مہمان بنائیں گے، پھر ان کے ساتھ مل کر حق کی صدا بلند کی جائے گی.....اور حق پسندوں کی جماعت تیار کی جائے گی.....حق کا بول بالا ہوگا.....اور اہلِ حق پر ظلم وستم کا خاتمہ ہوگا، مگر وہاں کے شر پسندوں نے اوباش لڑکوں اور لوفروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکسایا اور بھڑکایا، جس کے نتیجہ میں انہوں نے آپؐ کو نشانہ پر لے لیا.....جسمِ اطہر بھی لہولہان.....قلب مبارک بھی ریزہ ریزہ.....ایسی ذہنی اذیت اور نفسیاتی چوٹ کہ 'الامان.....الحفیظ'۔ آپؐ کی کیفیت کی اگر سب سے اچھی اور سچی منظر کشی اگر کوئی فصاحت وبلاغت کے میدان کا شہسوار کرسکتا ہے تو وہ آپؐ ہی ہیں جن کی یہ فصیح وبلیغ دعا اس کیفیت کی بھرپور غمازی کرتی ہے؛ آپؐ اپنے ربّ کریم کے حضور شکوہ کناں ہیں:

"اللّٰھم الیك اشكو ضعف قوتی، و قلة حیلتی، و هوانی علی الناس، یا أرحم الراحمین! أنت رب المستضعفین، وأنت ربی، الی من تكلنی؟ الی بعید یتجهمنی، أم الی عدو ملكته امری، ان لم یكن بك غضب علی فلا أبالی؛ و لكن عافیتك أوسع لی، أعوذ بنور وجهك الذی أشرقت له الظلمات، و صلح علیه أمر الدنیا و الآخرة، من ان تنزل بی غضبك، أو یحل علی سخطك، لك العتبی حتی ترضی، و لاحول و لاقوة الا بك".

(اے اللہ! تجھی سے اپنی طاقت کی کمزوری کا شکوہ ہے.....اور اپنی کم تدبیری وبے حیثیتی کا۔ اے رحیموں کے رحیم! تو کمزوروں کا (بہ طور خاص) رب ہے.....اور میرا رب، تو مجھے کن پر چھوڑ رہا ہے؟ دور کے ناطہ والوں پر جو تُرش روئی سے پیش آرہے ہیں؟ یا پھر دشمن ہی کے سپرد میرا معاملہ کردیا ہے؟ مجھے پرواہ نہیں، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں۔ البتہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ تیرے روئے انور کی پناہ، جس سے ساری تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں، اور دنیا وآخرت کی بگڑی بن جاتی ہے، اس سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو، یا تیری ناراضی۔ تیری خوشامد اس وقت تک جب تک تو راضی نہ ہوجائے۔ تیرے بغیر کسی کو طاقت وقوت حاصل نہیں)۔

اللہ اللہ! کیسا درد ہے!!!! کیسی بے قراری ہے!!! کیسے ٹوٹے ہوئے دل کی یہ صدا ہے!!!!!۔ ساری دنیا کے دکھیاروں کے رنج والم آپؐ کی اس تکلیف پر قربان.....سارے غم کے ماروں کی بے چینی واضطراب آپؐ کی بے قراری پر واری۔

مگر اہل طائف کی اس حق بیزاری، گستاخی اور ناہنجاری کے باوجود آپؐ کی رحمۃ للعالمین ذات' اس وقت بھی سراپا رحمت بنی رہی..... اس امید میں کہ آگے چل کر یہاں دین کے حامی اور مددگار کھڑے ہوں گے' دعاؤں سے نوازتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عفوو درگذر کی ادا رب رحیم وکریم کو ایسی پسند آئی کہ پھر بڑی بلندیوں سے سرفراز کیا گیا۔

اسراء ومعراج کا واقعہ پیش ہے.....جو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز اور خصوصیت ہے، اور اس میں عفوو درگذر، صبر وتحمل اور تسلیم ورضا کا زبردست پیغام امت کے لیے ہی نہیں' ساری انسانیت کے لیے ہے۔

☆☆☆☆☆

وراثت نبوت

عصر جدید کے چیلنجز اور قناعت پسند علماء

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

میں سمجھتا ہوں کہ عصر جدید کا سب سے بڑا فتنہ اور جدید اصطلاح میں چیلنج، مادیت، نفس پرستی اور دولت ہے، یہ فتنہ ہر زمانے میں رہا ہے، لیکن یہ فتنہ اس زمانے میں جس طرح منظم، طاقتور دلائل اور فلسفوں سے مسلح سامنے آیا ہے، اس طریقہ سے کبھی نہیں آیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ دور میں مادیت کے عروج کے زمانے میں بھی جو لوگ مادیت کے نقطۂ عروج پر تھے، وہ بھی احساس کمتری کا شکار تھے، وہ اپنی عادتوں کے غلام اور دولت واقتدار کے پرستار تھے، لیکن ان کو اس پر فخر نہیں تھا، بلکہ وہ کچھ شرمندہ شرمندہ سے نظر آتے تھے، ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم کوئی غلطی کر رہے ہیں، ہم اپنے نفس کی تسکین تو کر رہے ہیں، لیکن دماغوں کی تسکین سے عاجز ہیں، آپ اس زمانے کی تاریخ پڑھیے اور مادیت کے علمبرداروں کی نفسیات کا مطالعہ کیجیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ کی جو روحانی ہستیاں تھیں، بلکہ جو لوگ پستیوں سے بلند تھے، یہ دنیادار اُن کے سامنے جھک جاتے، اُن کا ادب کرتے تھے، اُن کے سامنے آنے سے کتراتے تھے، شرماتے تھے، ان سے آنکھیں ملانے کی تاب نہیں رکھتے تھے، ان کے پہلو میں نفس لوامہ تھا، یعنی وہ ضمیر جس کو اپنے جرم کا حساس ہو، ان کا ضمیر بھی اس قسم کا تھا، سارے مظالم کے باوجود وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ٹھیک راستے سے ہٹ گئے ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ جو مادیت کے بام عروج پر تھے، وہ بھی بعض مرتبہ خلوتوں میں روتے تھے، اور بعض مرتبہ جب ان کا ضمیر بیدار ہوتا تھا، اپنی زبان سے اقرار بھی کر لیتے تھے کہ ہمارا راستہ غلط ہے اور ہم نفس پرستی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشرقی اور مغربی کیمپ کا واحد نقطۂ نظر

لیکن اس زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ مادیت کو ترقی وشائستگی کا منتہی سمجھا جاتا ہے، مادیت کے بارے میں مغربی اور مشرقی کیمپ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف یہ ہے کہ مادیت کی تنظیم کس طرح کی جائے اور یہ کس فلسفہ اور کس مکتب فکر کے ہاتھ میں رہے؟ لیکن زندگی کس طرح گزارنی چاہیے؟ زندگی کی طاقتوں کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ زندگی کی تنظیم کس طرح کی جائے، اور وسائل ومقاصد میں کس طرح ہم آہنگی اور تعاون ہونا چاہیے، پھر اس کے نتائج سے کس طرح متمتع ہوا جائے اور اپنے زندگی کا منتہی، منزل مقصود کس کو بنانا چاہیے؟ انسان کی ترقی کا راز کس میں پنہاں ہے؟ اس بارے میں ان دونوں فلسفوں میں کوئی اختلاف نہیں، وہ دونوں اس چیز کے قائل ہیں کہ اصل چیز لذت، عزت اور ارادہ کی آزادی ہے، جو جی میں آئے کرنا اور اپنے نفس کو تمتع کا پورا موقع دینا، اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنا اور نفس کے جو حقوق ہیں، ان کو پورا کرنا، اس مادی جسم کو، گوشت پوست کے جسم کو آرام پہنچانا، یہی اصل مقصود ہے، نہ کہیں سے آئے تھے، نہ کہیں جانا ہے، نہ کسی کے سامنے حساب کتاب پیش کرنا ہے، اور نہ اس سے بلند وبالا کوئی فلسفۂ اخلاق ہے، نہ فلسفۂ روحانیت ہے، نہ کوئی فلسفۂ عقائد ہے، اور نہ اس کے علاوہ کوئی حقائق ہی ہیں، حقیقتِ مطلق، حقیقتِ کلی یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں اس لیے آئے ہیں کہ ہم اس کے ذخائر اور مواقع سے فائدہ اٹھائیں، ان کو آپس میں بانٹ کر کھائیں، اور زندگی کا لطف اٹھائیں، اس میں جو چیز بھی حائل ہو اس کو دور کر دینا چاہیے، یعنی مقصد ہے تو نفع اٹھانا، لیکن جو چیزیں حائل ہیں، ان کی تعیین میں ان کو اختلاف ہے، لیکن مقصود میں کوئی اختلاف نہیں، اس زمانے میں مادیت کی جو تنظیم ہوگئی ہے، جس طرح اس کو ریفائن (Refine) کیا گیا ہے، جیسے شاندار نام دیے گئے ہیں، جس طرح اس پر خوب صورت لیبل لگائے گئے ہیں، جس طرح اس دکان پر شاندار سائن بورڈ آویزاں کیے گئے ہیں، جس طرح اس کے پیچھے ذہین ترین اور لائق ترین افراد کی توانائیاں اور صلاحیتیں کام کر رہی ہیں، جس طرح مادیت کو عام کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنانے کے لیے کوششیں کی گئی ہیں، ہمارے علم میں انسانی تاریخ کے کسی دور میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔

سب سے بڑا چیلنج مادیت

اس طرح اس دور کا سب سے بڑا چیلنج مادیت کا چیلنج ہے، یہ ایک ایسی کلی حقیقت ہے، جس کے اصول وانواع تو سیکڑوں ہوسکتے ہیں، لیکن جنس ایک ہے، جنس ہے مادیت، اب اس کے انواع میں سرمایہ داری ہے، اشتراکیت بھی ہے، اشتمالیت (کمیونزم) بھی ہے، اور دوسرے اقتصادی فلسفے بھی ہیں، لیکن سب کا منتہی اور نقطۂ جامعہ، قدر مشترک

(Common Factor) مادیت ہے، نفس پرستی ہے۔

وہ حقائق جو مادیت پر ضرب کاری لگاتے ہیں

جب انسان اپنے پیٹ کا، اپنے معدے کا غلام تھا، اپنے اندرونی سفلی خواہشات کا غلام تھا، جب انسان دولت، عورت، زمین کے سوا کسی کو حقیقی نہیں مانتا تھا، جب دنیا کی کثیر آبادی مخلوق کے سامنے جھکتی تھی، اور اس کے سامنے دبتی تھی، انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے دور میں تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ اس عالم سے ماوراء ایک عالم ہے، وہ عالم اس عالم سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ رقیق، کہیں زیادہ حسین اور جمیل ہے، اُس عالم کو اگر تم دیکھ لو تو اس عالم کو گوارا کرنا مشکل ہوگا، اِس عالم میں زندگی گزارنا ایسا ہوگا جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، جیسے کسی آزاد پرندے کو کسی پنجرے میں بند کر دیا جائے اور وہ پنجرا بھی بہت تنگ ہو، وہ پھڑ پھڑانے لگتا ہے، اسی طریقہ سے اگر تم اُس عالم کو دیکھ لو تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں اور تم کو اِس دنیا سے گھن آنے لگے، جس دنیا کو تم سب کچھ سمجھ رہے ہو، جس دنیا پر تم اپنی عزیز متاع، روحانیت کی، علم کی، اخلاق کی قربان کر رہے ہو، اس عالم سے تمہیں گھن آنے لگے، جس طرح کسی کو ایک منٹ کے لیے گندگی کے کسی بہت بڑے ذخیرے پر کھڑا کر دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اور اس کو متلی آنے لگتی ہے، یہ وہ چیز ہے، جو قرآن نے، صحف سماوی نے اپنے اپنے طور پر بیان کی ہے: "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ" [سورۃ النساء:۷۷]، کہیں حطام کے لفظ سے اس کی تعبیر کی، کہیں زرع کے لفظ سے ادا کیا، یہ حطام ہے، یعنی چورا ہے، جیسے کھیتی کا چورا ہوتا ہے، ویسے ہی یہ بھوسا ہے، کہیں "كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ" [سورۃ الفتح:۲۹] کسان کی کھیتی لہلہائی تو اس کو بڑی بھلی لگی اور اس کی رال ٹپکنے لگی، اور اس نے کہا کہ کیسا اچھا یہ چمن ہے جو کھلا ہے، کیسی یہ کھیتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد خزاں کا ایک جھونکا چلا، یا کسان کی درانتی اس پر چلی تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

سب سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کی یہ حقیقت منکشف کی کہ دنیا بچوں کا کھیل ہے، جیسے ریت پر بیٹھے وہ گھر بناتے ہیں، محل بناتے ہیں، گھروندے بناتے ہیں، پھر اپنے ہاتھ سے توڑ دیتے ہیں، پھر بناتے ہیں، تو خوش ہوتے ہیں، اور پھر خود ہی توڑ دیتے ہیں، بازیچۂ اطفال ہے، یہ دنیا ان عقلاء کے سامنے، عارفین کے سامنے اللہ نے یہ حقیقت منکشف کی، اگر آپ تاریخ پڑھیں تو آپ کو یہ سب کچھ نظر آجائے گا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا

بغداد میں ایک مرتبہ ہم نے وہ میوزیم دیکھا جو ماقبل تاریخ کے مختلف تمدنوں، مختلف تہذیبوں، وادی فرات کی تہذیبیں، نمرود وغیرہ کا زمانہ اور نہ معلوم کون کون سی سلطنتوں کے آثار تاریخی یادگار کے طور پر سجائے رکھے ہیں، پھر اس کے بعد تاریخ کا سفر کرتے کرتے عہد عباسی، اس کے بعد سلجوقیوں کا زمانہ، تاتاریوں کا زمانہ اور مغلوں کا زمانہ، ترکوں کا زمانہ، انگریزوں کا زمانہ، فیصل بن حسین کا زمانہ سامنے آیا، آپ یقین مانیے، اتنے دیر میں مجھے دنیا کے تغیر و تبدل سے متلی آنے لگی، جیسے کوئی کڑوی چیز کھائے یا کوئی اور ڈوز (Overdose) ہو جائے، میں تھک گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب تماشا ہی تماشا ہے، یہ وہ سلطنتیں ہیں جن کو زوال کی منزل طے کرنے میں اور ختم کرنے میں ہزار سال، کسی کو پانچ سو برس لگے ہیں، مگر ہم کو یہ معلوم ہونے لگا کہ گھنٹوں کا معاملہ ہے، جو محض دھوکہ تھا، یا خواب تھا، جن کو لوگ سمجھے ایک ہزار برس تھا، ہم نے ان کا انجام دیکھ لیا، ہم ایسی جگہ کھڑے ہیں جہاں انسانیت کا ملبہ ہے، اور ملبے پر کھڑے ہیں، ایسے ہی ہمارے بعد جو لوگ آئیں گے، اور وہ یہی دیکھیں گے "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ"، ہم جس کو طویل سمجھ رہے ہیں وہ کتنا قلیل ہے۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے

خدا کو اس دنیا کو آباد رکھنا ہے، اس لیے خدا نے یہ دنیا عام انسانوں پر ایسی منکشف نہیں کی ہے جیسے عارفین پر منکشف کی تھی، ورنہ یہ دنیا ویران ہو جاتی، اس دنیا میں مکان بنانے میں کسی کا دل لگتا اور نہ کارخانہ اور فیکٹری قائم کرنے میں کسی کا دل لگتا، یہ حکمت الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو آنکھوں سے روپوش کر رکھا ہے، ورنہ اگر یہ حقیقت منکشف ہو جائے اور آخرت میں جو کچھ ہونے والا ہے، پہلے اگر دکھا دیا جائے تو انسان سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا، یا تو اس کا دم نکل جائے گا، یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے گا اور انگلی ہلانا اس کا مشکل ہو جائے گا، یہ تو انبیاء علیہم السلام کا جگر اور ان کے نائبین کا جگر تھا کہ سب جانتے ہوئے، انہوں نے دنیا کے حقوق ادا کیے، رہے تو سلیقہ کے ساتھ رہے، ذوق کے ساتھ رہے، اطمینان کے ساتھ رہے، عزم کے ساتھ رہے، اپنی صلاحیت کو انہوں نے استعمال کیا، جس شہر میں رہے، جس محلّہ میں رہے، اس کو صاف کیا، لیکن دل انہوں نے ایک منٹ کے لیے بھی اس میں نہیں لگایا اور برابر کہتے رہے: "اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ" کیونکہ اس کا انجام جانتے تھے، اور پھر

اس کے بعد انہوں نے تعمیر بھی کی، مسجدیں بھی بنائیں، اسلام بھی پھیلایا، فتوحات بھی کیں، ملکوں کو اللہ کی قلمرو میں شامل بھی کیا، نئے نئے علوم و فنون وجود میں لائے، تاریخ کی انہوں نے ایسی بنیاد رکھی جو آج تک مستحکم ہے، یہ سب کچھ کیا، لیکن فرق یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو آخری منزل نہیں سمجھتے تھے، وہ اس دنیا کو ابتدائی منزل سمجھتے تھے، اور یہی ہم میں اور ان میں فرق ہے۔

مادیت کے راکب یا مرکب

اُس وقت مادیت کا جو جادو تھا، وہ جادو وہ لوگ توڑتے تھے جو اُس مادیت سے اپنے آپ کو آزاد کر چکے تھے، جو مادیت کے غلام نہیں تھے، جن کا یہ حال تھا کہ مادیت کو انہوں نے تابع کر رکھا تھا، وہ مادیت کے تابع نہیں تھے، مادیت کے راکب تھے، مادیت کے مرکب نہیں تھے، آج اصل فرق یہ ہے کہ مادیت کے ہم مرکب ہیں، یا ایسے بے اختیار راکب کہ:

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اور یہ ہماری حالت ہے کہ جیسے کوئی گھوڑا چھوٹ جائے اور اس کا راکب بے اختیار ہوجائے، مادیت ہمیں سرپٹ دوڑائے لیے پھر رہی ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس گھوڑے کو کس طرف موڑیں گے، اور اس کو کس طرح چھوڑیں گے، دونوں باتیں ہمارے اختیار میں نہیں، خندق میں لے کر کود جائے گا، کسی کھائی میں چھلانگ لگائے گا، سمندر میں کود جائے گا، ہمیں پتہ نہیں، تو اس وقت ہمارے پورے تمدن کا یہ حال ہے کہ تمدن ہمارے اختیار میں نہیں رہا، تمدن کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، مادیت کو ہمیشہ ان لوگوں نے چیلنج کیا اور ان لوگوں کے چیلنج کو اس نے قبول کیا جو اس سطح سے بلند تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت عطا فرمائی تھی، جو بادشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، وہ بادشاہوں سے اس طرح باتیں کرتے تھے، جس طرح مریضوں سے باتیں کرتے ہیں، وہ ان کو مریض سمجھتے تھے، ان پر رحم کھاتے تھے، اپنے حال پر خوش تھے، ان کو ان بادشاہوں پر ترس آتا تھا کہ غریب کس مصیبت میں گرفتار ہیں، اور اس میں تصنع نام کو نہ تھا، واقعی ان کے دل میں درد ہوتا تھا، دیکھیے! ربعی بن عامرؓ سے رستم نے جب پوچھا کہ تم کیسے آئے؟ تو کہا کہ تم کو دنیا کی کال کوٹھری سے نکال کر دنیا کی وسیع فضا میں داخل کرنے آئے ہیں، میں نے ابوظہبی کی ایک تقریر میں کہا کہ اگر وہ اللہ کا بندہ کہتا کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں داخل کرنے آئے ہیں، تو مجھے ذرا تعجب نہ ہوتا، یہ تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ: "اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ" [مسلم: ۷۴۱۷] دنیا تو ایک قفس اور پنجرا ہے، لیکن تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کے اس بندے نے جو پیٹ پر پتھر باندھتا ہوگا، جس کے پاس ضرورت کا راشن نہیں ہوگا اور جسم پر چیتھڑے لپیٹے ہوگا، کیا دیکھ کر اس نے کہا کہ ہم تم کو دنیا کی کال کوٹھری سے نکال کر جس میں تم بند ہو، وسیع فضا میں منتقل کرنے کے لیے آئے ہیں؟ کیا عرب کی فضا وسیع تھی؟ کیا عرب میں وسائل معیشت محدود ہی نہیں بلکہ تقریباً معدوم نہیں تھے؟ پیٹ بھر کھانا بھی لوگوں کو نہیں ملتا تھا، جہاں وہ اونٹوں کی کھال کے بنے ہوئے خیموں کے اندر اور مٹی کے بنے ہوئے جھونپڑوں کے اندر رہتے تھے، جہاں ان کو نیا شکار مل گیا یا اپنے ہی اونٹوں کو ذبح کر لیا تو گویا ان کی عید ہوگئی، اس دن معلوم ہوتا تھا کہ رزق کے دروازے کھل گئے، کیا دیکھ کر اللہ کے اس بندے نے کہا کہ تم اپنی خبر لو، تم تو پنجرے میں گرفتار ہو، تھوڑے سے دانے ڈال دیے گئے ہیں، اور تم اس کو کھا کر خوش ہو رہے ہو، ہم آئے ہیں تاکہ تم کو آزادی دلائیں، یہ مسلمان کی اس وقت کی نظر تھی، اور یہ اس وقت کے علمائے ربانی تھے، لوگ ان کے پاس جا کر مادیت کا علاج کراتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی بلا میں مبتلا ہیں، اور یہ لوگ کیسا عیش کر رہے ہیں، اور کیسی جنت میں رہ رہے ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مقولہ ہے: "اَلْجَنَّۃُ فِیْ صَدْرِیْ" میری جنت میرے سینے کے اندر ہے، اس لیے کہ ان کو اللہ پر بھروسا تھا، وہ کسی چیز سے ڈرتے نہیں تھے، ہر وقت سکر کا غلبہ تھا، نماز میں ان کو لذت اور دعا میں ان کو حلاوت محسوس ہوتی تھی، اور ہر وقت ہی جنت میں لوٹتے پوٹتے رہتے تھے، دیکھنے والے دیکھتے تھے وہ دنیا میں ہیں، لیکن حقیقت میں جنت الفردوس میں تھے، اور ایک مرتبہ جوش میں آکر کہا کہ لوگ میرا کیا لے لیں گے، مجھ سے کیا چھین کر لے جائیں گے، میرے عیش کا سامان تو میرے دل کے اندر ہے، اس کو کون نکال سکتا ہے، بعض عارفوں کا قول سنا ہے کہ خدا کہ قسم! اگر دنیا والوں کو معلوم ہوجائے کہ ہم کس عیش میں، کس مزے میں ہیں، تو ہم کو بیٹھنے نہ دیں، تلواریں لے کر جس طرح ملکوں پر حملہ کرتے ہیں، اسی طرح ہم پر حملہ کریں اور تھوڑی سے جگہ جو ہم نے بنائی ہے، ایک گوشہ میں یا مسجد کے کونے میں، ہمیں یہاں بھی بیٹھنے نہ دیں، سمجھیں کہ یہاں کوئی خزانہ گڑا ہوا ہے، یہ جو فرش پر بچھا کر بیٹھا ہے، اتنا مگن ہے کہ اس کو نہ بھوک معلوم ہوتی ہے اور نہ پیاس معلوم ہوتی ہے، اس کی جائے نماز کے نیچے ایک سوتا ہے، کنکشن ہے، جہاں سے رزق ملتا ہے، جہاں سے فرحت ابلتی ہے، تو وہ ہمیں اٹھا دیں اس مصلے سے، اور ہم

سے کہیں کہ جنگل کی راہ لو اور بیٹھ کر وہاں کھدائی کریں جیسے پٹرول کی کھدائی ہوتی ہے۔

قناعت کا جوہر

اصل چیز کا مقابلہ وہ علماء کر سکتے ہیں، جن کے اندر قناعت کا جوہر ہو، جو کسی دام میں نہ تو آسکیں اور کہیں:

برد ایں دام بر مرغِ و گرنہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

جاؤ کسی اور کو آزماؤ، ہم بکنے والے نہیں ہیں، ہم سکوں کے عوض یا تمہارے عہدوں کے عوض، کرسی کے عوض یا عزت کے عوض ہم اپنا ضمیر بیچ ڈالیں، اپنا سکون قلب بیچ ڈالیں، یہ نہیں ہوگا، اس کی امید نہ کرو، چنانچہ آپ عارفین کو دیکھیں، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کو بادشاہ دہلی نے پیغام دیا کہ حضرت مجھے کبھی خدمت کا موقع نہیں دیتے، کبھی تو خدمت کا موقع دیں، کبھی تو فرمائش کریں، اور ہزار روپے کی رقم پیش کرنی چاہی، تو فرمایا کہ دیکھئے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ".

برہان پور میں ایک بزرگ تھے، ان کے پاس عالم گیر نے جانا شروع کیا، وہ فرمانے لگے کہ ایک جگہ میں نے اپنے لیے انتخاب کی تھی، اگر بادشاہ کو وہ بھی پسند آگئی ہے تو میں کہیں اور چلا جاؤں، افسوس ہے کہ بزرگانِ دین کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کے اتباع شریعت کا جذبہ، اتباع سنت کا جذبہ، ان کی شب بیداری، ان کا قرآن وحدیث سے شغف، یہ سب چیزیں تو بالکل منفی ہوگئیں، ان کا ذکر نہیں آتا، بقول مصنفِ ''تاریخ گجرات'' (مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ) جس بزرگ کی سوانح پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ قانونِ قدرت توڑنے کے سوا اُن کا کوئی محبوب مشغلہ نہیں تھا، اور وہ عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ پر ہر وقت اپنی حکومت ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس کو مارا، اس کو گرایا، اگر مرا ہوا ہے تو زندہ کر دیا، اگر زندہ ہے تو مار دیا، کشتی ڈوب گئی تو اس کو انگلیوں کے اشارے سے نکال دیا، ان بزرگوں کی تاریخیں بڑے غلط طریقے سے لکھی گئی ہیں، یہ حضرات درحقیقت بڑے اہل علم تھے، ہوسکتا ہے، بعض حضرات سے حدیث کے صحیح نہ پہنچنے یا حدیث کے علم کی کمی کی وجہ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہوگئی ہوں جن کی حدیث سے تائید نہیں ہوتی، لیکن عام طور سے یہ حضرات بڑے اہل علم تھے، اور علم کے بغیر کسی کو مسند ارشاد پر بٹھا نہیں سکتے تھے۔

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" [سورۃ الجمعۃ:۲] یہ ہیں نبوت کے چار شعبے، جو اللہ تعالیٰ ان کے نائبین کو بطریق نیابت، بطریق خلافت عطا فرماتا ہے، ایک تو ہے تلاوت قرآن: "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ" [سورۃ البقرۃ:۱۲۹]، تعلیم کتاب وحکمت کو مقدم کیا ہے، اور یہ سیاق وسباق کے مطابق ہے، یہ بڑے اہل نظر کا کام ہے، وہ بتائے گا کہ یہاں کیوں مقدم کیا ہے؟ اور یہاں کیوں مؤخر کیا ہے؟ کیا ماحول ہے؟ سورہ کا مرکزی نکتہ کیا ہے؟۔

حکمت سے مراد اخلاق

حکمت سے مراد اخلاق فاضلہ ہیں، جیسا کہ ہمارے استاذ اور اپنے زمانے کے محقق مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق ہے کہ حکمت کا لفظ جہاں جہاں قرآن میں آیا ہے، اس سے مراد اخلاق ہے: "وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ" [سورۃ لقمان:۱۲]، اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ اخلاق ہی اخلاق ہے، پہلے حکمت کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر اس کی جو انواع بیان کی ہیں، وہ سب اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں، سورہ اسراء میں سارے اخلاق بیان کرنے کے بعد فرمایا: "ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ" [سورۃ الإسراء:۳۹] (اے پیغمبر! یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں)، یہاں اخلاق فاضلہ بیان کرنے کے بعد حکمت کا لفظ استعمال ہوا، معلوم ہوا کہ حکمت سے مراد اخلاق ہے، اخلاق فاضلہ۔

تزکیۂ کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ناقص

اس کے بعد نفس کا تزکیہ کرتا ہے، اخلاقِ رذیلہ کو نکال دیتا ہے، حسد کو، قہر کو دور کرتا ہے، حب دنیا اور حب جاہ کو نکالتا ہے، اس کے بجائے اللہ کی محبت، آخرت کا، جنت کا شوق دل میں بٹھاتا ہے، کوئی بھی جامعہ یا دارالعلوم ہو، اس کا مقصد ان فضلاء کو تیار کرنا ہے جو تلاوت، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ چاروں شعبوں میں انبیائے کرامؑ کی نیابت کا حق ادا کر سکیں، تلاوت وحکمت ناقص رہے گی جب تک کہ تزکیہ اس کے ساتھ نہ ہو، یعنی ہمارے علماء نفس کی غلامی کے پھندے سے نکل چکے ہوں، ان کو دولت اور عزت کی بڑی سے بڑی مقدار، اپنے اصولوں سے، اپنی دعوت سے، اپنے معیار سے، اپنی تعلیم سے، اپنی زندگی کے نہج سے نہ ہٹا سکے۔

آج عرب وعجم میں کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اگر کمی ہے، تو زاہدانہ زندگی اور قناعت کی، آدمی وہاں جھکتا ہے جہاں وہ چیز اس کو ملے جو اس کے پاس نہ ہو، یہ قاعدہ ہے، میرے پاس اگر کوئی چیز نہیں ہے تو میں مرعوب ہوں گا، لیکن میرے پاس اگر انیس بیس کے فرق کے ساتھ وہ چیز تو موجود ہے تو میں مار نہیں کھاؤں گا، میں سر نہیں جھکاؤں گا،

تو اب جو لوگ مادیت پرست ہیں، مادیت کے زخم خوردہ ہیں، یہ جب علماء کے پاس جاتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ کسی چیز میں بھی یہ ہم سے کم نہیں ہیں، اور پھر ان کے گھروں کا نقشہ دیکھتے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی اور معاشرت دیکھتے ہیں، معیارِ زندگی دیکھتے ہیں، تو متاثر ہونے کے بجائے ان کی بداعتقادی بڑھ جاتی ہے، آج وہ علماء تیار ہوں جو "یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" پر عامل ہوں، جو نبوی وراثت کے حامل ہوں: إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَاراً وَّلَا دِرْهَماً، إِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ [ابن ماجہ:۲۲۳] عصرِ حاضر کا چیلنج ہے مادیت، اور اس کا جواب ہے مادیت سے بالاتری، مادیت کی سطح سے بلند ہونا اور یہ ثابت کرنا کہ مادیت ہم کو متاثر نہیں کرسکتی، اور ہم مادیت کے غلام نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم طیبات کو اپنے اوپر حرام کرلیں "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ" [سورۃ الأعراف:۳۲]، "يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ" [سورۃ التحریم:۱]، جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں، ہم مباحات سے پورا فائدہ اٹھائیں، ہم اللہ کی نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، ہم اگر لذیذ کھانا کھا سکتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کو بے لذت نہ بنائیں، جیسے بعض بعض غالی صوفیوں کے متعلق سنا کہ سالن میں پانی اوپر سے ڈال دیا تاکہ بے مزہ ہوجائے، پڑوسیوں میں تقسیم کرنے کے لیے نہیں بلکہ بے لذت بنانے کے لیے، یا بہت سا نمک ڈال دیا، یا بے نمک کے کھا رہے ہیں، تاکہ کوئی لذت حاصل نہ ہو، یہ تزکیہ اسلام کا تزکیہ نہیں، شریعت اس کی ہمت افزائی نہیں کرتی، آپ کو اگر متوسط درجہ کا خوش ذائقہ کھانا میسر ہے تو ضرور اللہ کا شکر ادا کریں، اور ہر ہر لقمہ پر شکر کریں، لیکن ہوس "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" یہ جو آج ہر طبقہ میں آگئی ہے، سرمایہ کی کوئی مقدار، عزت کی کوئی مقدار اس کو مطمئن کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، اور "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" کا نعرہ بلند ہوتا ہے، علماء اس سے بالکل ممتاز، متمیز اور نمایاں ہوں۔

چند بوریہ نشینوں کی ضرورت

آج ملک بچانے کے لیے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں ایک بڑا عنصر اور ایک بہت بڑی طاقت علماء کی زاہدانہ قناعت والی اور خودداری والی زندگی ہے، علماء ایسی زندگی کا نمونہ پیش کریں کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اور ہی طبقہ کے لوگ ہیں، یہ وراثت انبیاء کے وارث ہیں، یہ نائبین انبیاء ہیں، یہ مادیت کے زخم خوردہ اور اس کے قتیل وشہید نہیں، جن کے پاس جاکر دنیا کی بے حقیقتی ظاہر ہو، اور کم سے کم یہ معلوم ہو کہ دولت ہی سب کچھ نہیں، جس کو سو بار غرض ہو وہ یہاں آئے، ہم کسی کے دروازے پر نہیں جاتے، اگر جاتے ہیں تو دین کی دعوت لے کر جائیں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جائیں گے، کسی فریضہ، کسی سنت کے احیاء کے لیے جائیں گے، اپنی غرض کے لیے، کسی کی سفارش کے لیے نہیں جائیں گے۔

اس خلا کو کوئی چیز پُر نہیں کرسکتی

یہ ملک کی شدید ترین ضرورت ہے، اس خلا کو کوئی اور چیز پُر نہیں کرسکتی، تصنیف، تالیف، خطابت، تحقیق، سیاست، سحر بیانی کوئی چیز اس کمی کو پر نہیں کرسکتی، یہاں کچھ آدمی ایسے چاہئیں جن کے پاس طاقت والے، سیاست والے آنے پر مجبور ہوں، اور اپنے دردِ دل کی دوا پائیں، اور ان کو محسوس ہو کہ خاصان خدا کیسے ہوتے ہیں، ہم بالکل بے حقیقت انسان معلوم ہوتے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ تزکیہ واحسان کی اگر آپ کے نزدیک ضرورت نہیں، تو اس کی جگہ پر کوئی چیز ایسی ہو جو وہ کام کرے جو وہ کرتی رہی ہے، یعنی جہاں آکر لوگوں کو اپنے اخلاق کی خرابی کا احساس ہو، اپنی انسانی پستی، اندرونی بیماری کا کچھ احساس ہو، جہاں آکر ایک نئی طاقت، ایک نئی روح آدمی کو حاصل ہو، میں نے عربی شاعر حُطَیئہ کہ اس شعر پر اس مضمون کو ختم کیا تھا:

أَقِلُّوْا عَلَيْهِمْ لَا أَبَا لِأَبِيْكُمُ
مِنَ اللَّوْمِ أَوْ سُدُّوْا الْمَكَانَ الَّذِيْ سَدُّوْا

(بس بہت ملامت ہوچکی، ان کو تم نے بہت مٹی میں ملایا اور بہت ذلیل کیا، اب ملامت کم کرو، اس جگہ کو بھرو جس جگہ کو انہوں نے بھر رکھا تھا)۔

آپ ایک ڈاکٹر کا شفاخانہ بند کرتے ہیں، تو خدا کے لیے کوئی دوسرا شفاخانہ اس سے بہتر تو قائم کیجیے، شفاخانہ تو آپ نے بند کردیا اور کوئی دوسرا شفاخانہ قائم نہیں کیا، اور اس کے بجائے آپ نے سبیل لگادی، اس کے بجائے آپ نے کتب خانہ کھول دیا، کتب خانہ بہت مبارک، لیکن وہ شفاخانہ کی جگہ نہیں لے سکتا، شفاخانہ کی جگہ شفاخانہ ہی لے سکتا ہے، طبیب کی جگہ طبیب ہی لے سکتا ہے، اس زمانے کا چیلنج ہے مادیت، اور اس کا جواب حقیقی، صحیح، شرعی، مسنون روحانیت، تزکیۂ نفس، جس میں کوئی چیز خلاف شریعت نہ ہو، کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی نظیر کتاب وسنت میں اور عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں نہ مل سکے، ایک طرف تو وہ راسخ فی العلم ہوں اور ایک طرف راسخ فی الدین ہوں، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس راستہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

صحبتے با اھل دل

نیک صحبت ایک عظیم نعمت

افادات مجالسِ علم وحکمت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

انسانی زندگی پر صحبت کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور یہ اثر کبھی غیر محسوس طریقہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، اگر اچھی اور نیک صحبت میسر ہے تو انسان پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اگر بری صحبت میں اٹھنا بیٹھنا ہے تو لامحالہ برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، بعض خصوصیات کی بنیاد پر صحبت کی تاثیر بڑی قوی اور زود اثر ہوتی ہے اور ایک ملاقات ایک مجلس حتی کہ ایک نگاہ کے ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ برسوں کسی کی صحبت میں رہنے کے بعد بھی کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، یوں تو بہر حال صحبت کا اثر ہوتا ہی ہے۔

قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں اس تعلق سے بڑی واضح ہدایات ملتی ہیں، جیسا کہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" [سورۃ التوبہ:۱۱۹] (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو)، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے ہم نشیں اور برے ہم نشیں کے متعلق بہترین مثال دے کر امت کو سمجھایا ہے، مشہور اور صحیح حدیث ہے، آپ سب حضرات بخوبی جانتے ہیں: عن أبی موسی الاشعری رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَ جَلِيسِ السُّوءِ: كَحَامِلِ الْمِسْكِ، وَ نَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَ إِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً طَيِّبَةً، وَ نَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَ إِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً مُنْتِنَةً" [بخاری:۲۱۰۱، مسلم:۲۶۲۸] (حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھے اور برے ہم نشیں کی مثال مشک بیچنے والے اور بھٹی دہکانے والے لوہار کی طرح ہے، جہاں تک مشک بیچنے والے کا تعلق ہے یا تو وہ تم کو مشک (خوشبو) دیدے گا یا تم اس سے مشک خرید لوگے اور آخری درجہ کی بات یہ کہ تم کو اس کے پاس سے بہترین خوشبو سونگھنے کو ملے گی اور جہاں تک لوہار کی بات ہے یا تو وہ تمہارے کپڑے جلا دے گا کالے کر دے گا یا یہ کہ تم کو اس سے بدبو سونگھنے کو ملے گی)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے آسان طریقہ اور بڑے سلیقہ سے بات کو سمجھایا ہے، ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور واضح انداز میں بیان فرمایا ہے: "المرء علی دین خلیلہ فلینظر أحدکم من یخالل" [جامع ترمذی:۲۳۷۸] (آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے)۔

انبیاء علیہم السلام کی صحبت کے اثرات بڑے قوی ہوتے ہیں، ایک نگاہ سے دل کی کایا پلٹ جاتی ہے، تاریکی چھٹ جاتی ہے، دل آئینہ کی مانند صاف و شفاف ہو جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض اور صحبت یافتہ حضرات صحابہ کہلائے، بعد کے دور میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا اور لوگ بزرگوں سے فیض حاصل کرتے رہے اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے رہے، اس سلسلہ میں ایک بات اور غور کرنے کی ہے کہ جو جتنا قرآن وسنت سے قریب تر ہوگا اس کی صحبت کی تاثیر بھی اسی قدر قوی تر ہوگی، ہمارے سید صاحب (مجاہد عظیم حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ) کا قصہ مشہور ہے کہ جہاں سے گزر جاتے تھے، بہار آجاتی تھی، دل کی کھیتیاں لہلہانے لگتی تھیں، زندگیاں تبدیل ہو جاتی تھیں، سید صاحب ایک دیہات سے گزرے، وہاں کسی بچے پر نظر ڈالی، اس کو قریب کیا، اتنی دیر کی صحبت کے اثرات اس بچے کے بڑھاپے تک باقی رہے، سید صاحب کے اندر اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب تاثیر رکھی تھی اور ان کے جو فیض یافتہ تھے، ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب تاثیر رکھی تھی، حضرت مولاناؒ (مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہید" میں سید صاحب اور آپ کی جماعت کے بڑے حیرت انگیز واقعات ذکر فرمائے ہیں، ہمارے طلبہ کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی تاثیر رکھی ہے، اگر سید صاحب کی جماعت کو قرنِ اول کے مسلمانوں سے ایک حد تک تشبیہ دی جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ہم اپنے طلبہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے درجوں میں، دارالاقامہ میں، کھیل کے میدان میں اچھے ساتھیوں کا انتخاب کریں، بروں کی صحبت سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں، بروں کی صحبت تھوڑی دیر کے لیے بھی مضر ہے اور نیک لوگوں کی صحبت تھوڑی دیر کے لیے بھی مل جائے تو فائدہ سے خالی نہیں ہے، لوگ آپ کے ساتھیوں کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ آپ کس طرح کے انسان ہیں، نیک لوگوں کی صحبت

مل جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر آپ اچھے ماحول اور اچھے لوگوں کے ساتھ وقت گزاریں گے تو برے ماحول سے آپ کی طبیعت مکدر ہو جائے گی، آپ کا ایسی جگہ یا لوگوں کے درمیان تھوڑی دیر ٹھہرنا بھی مشکل ہوگا، اگر آپ کو نیک انسان بننا ہے تو نیک انسان کا آپ کو انتخاب کرنا ہوگا اور اگر برا انسان بننا ہے تو جس کا چاہیں آپ انتخاب کریں، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، میں اچھائی اور برائی سے واقف ہوں، تو یہ آپ کی خام خیالی ہے، آپ تجربہ کر کے دیکھیں پھر دیکھئے کہ تبدیلی آتی ہے یا نہیں۔

اگر آپ کو اچھے ساتھی نہیں ملتے جو آپ کے دین، تقویٰ وطہارت میں تعاون کریں تو آپ اچھی کتابوں سے دوستی کرلیں، صرف کتابوں کی صحبت اختیار کریں، اسی سے فائدہ اٹھائیں یہ خیال رہے کہ کتابیں صحیح العقیدہ اور صحیح الفکر مصنّفین کی ہوں، اس میں بہت زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، اس میں آپ اپنے اساتذہ سے رہنمائی حاصل کریں بغیر مشورہ کے کوئی کتاب نہ پڑھیں، اگر ہم نے صحیح کتاب کا انتخاب نہ کیا تو جس طرح سے برے ساتھی کی صحبت ہمارے لیے مضر ہے، اس سے کہیں زیادہ مضر منحرفین کی کتابیں ہیں، جن سے ہمارا دل و دماغ بہت جلد متاثر ہوتا ہے، دارالعلوم (ندوۃ العلماء) نے اس تعلق سے بھی بڑی فکرمندی کا مظاہرہ کیا ہے، ندوہ کے مؤقر اساتذہ کی نگرانی میں ایک کتابچہ "ماذا تقرأ" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، یہاں کے ہر طالب علم کے پاس وہ کتابچہ ہونا چاہیے، مزید رہنمائی کی ضرورت ہو تو اپنے اساتذہ سے رجوع کرنا چاہیے۔

ترتیب: محمد سلمان خان بجنوری ندوی

☆☆☆☆☆

خدارا سوچئے کہ علاج کیا ہے؟

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

مولانا ئے رومی اپنی مثنوی میں ایک حکایت لکھتے ہیں کہ: حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے اپنے ایک غیر مسلم شناسا کو دعوت اسلام دی، اس منکر نے جواب میں کہا یہ تو بتاؤ کس اسلام کی جانب بلاتے ہو؟ اگر اس اسلام کی جانب بلا رہے ہو، جو بایزید کا ہے، تو اس پر میں تمہاری دعوت سے قبل ہی ایمان رکھتا ہوں، اور ان کے ایمان کے اپنے مرتبہ وظرف سے کہیں برتر و بلند تر سمجھتا ہوں، لیکن اگر اس اسلام کی جانب مدعو کر رہے ہو، جو خود تمہارا ہے، تو ایسے دین کے مقابلے میں میری بے دینی کیا بری ہے؟ آخر تمہارے دین میں کیا خوبی ہے، جس کے لیے میں اپنے باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دوں، اپنی ہمیشہ کی عادتیں چھوڑ دوں، اور ایک نیا جادۂ زندگی اختیار کروں۔

کیا آج یہ حکایت ہمارے لیے بے معنی ہے؟ اس مسلمان سے تو کسی ایک منکر نے یہ سوال کیا ہوگا، لیکن آج ہمارے سامنے ہر آریہ، ہر ہندو، ہر عیسائی، ہر غیر مسلم کی زبان اسی سوال کو دہرا رہی ہے، اور ہر منکر ہم سے اسی سوال کا جواب طلب کر رہا ہے، اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت پر، جس کی نیچی اور شرمیلی نگاہوں پر، خود حیا اور غیرت قربان ہو ہو جاتی تھی، آج بدمعاشی اور اوباشی، بدنظری اور بدچلنی کے الزامات کھلے خزانہ لگائے جا رہے ہیں، ہے کوئی جوان الزامات کو باطل کر دے؟ راست بازوں کے اس سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھنے والے، جس کی امانت و دیانت، سچائی اور صفائی پر دشمنوں تک کو اعتبار تھا، آج دنیا میں ہر طرف بے اعتبار مشہور ہو رہے ہیں، ہے کوئی جوان کی بگڑی ہوئی ساکھ کو دوبارہ قائم کر دے؟ سچوں کے اس پیشوا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلقہ بگوش کہلانے والے جسے "امین" کا لقب دوستوں نے نہیں، دشمنوں نے دیا تھا، آج حرص وطمع، نفاق ونفسانیت کے شکار ہو رہے ہیں، ہے کوئی جوان امراض سے شفائے کلی انہیں دیدے؟

آپ کہتے ہیں کہ: مذہب کا درد آپ کے دل میں بھی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: اشاعت اسلام کی تڑپ آپ کو بے چین کیے ہوئے ہے، یہ صحیح، لیکن خدارا سوچئے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ پرزور مضامین لکھنا، دوسروں کے لیے دل آزاد نظمیں لکھنا، دوسروں کے پیشواؤں کی توہین کرنا، دوسروں کی توہین وبے عزتی پر خوش ہونا؟ یا اس کے برعکس خود اپنی زندگی کو نیکی و نیک نفسی، پاکبازی، راستی وراست بازی کے قالب میں ڈھال لینا؟ آپ کسی غیر مسلم سے جب دوستی وخیر اندیشی، لطف ومحبت کی بات کہتے ہیں تو اسے اسلام سے زیادہ قریب کرتے ہیں، یا اس کا دل دکھا کر، اور اس کے بزرگوں کو اس کے سامنے برا بھلا کہہ کر؟ غیروں کے دلوں کو موہ لینے کی کون سی ترکیب آپ کے ہاتھ میں ہے؟ آیا آپ کی ہنگامہ خیز تقریریں، آپ کی کمیٹیاں، آپ کی جلسے، آپ کے پوسٹر یا اس کے برعکس آپ کا اخلاق، خلوص، آپ کی سچائی اور دیانت، آپ کی پاک بانظری اور ذوق خدمت گزاری، آپ کو جس وقت اپنے دین کی محبت مغلوب کرتی ہے تو آپ مالوی جی اور لاجپت رائے کی ہجو میں نظمیں تصنیف کر ڈالتے ہیں، لیکن خود اپنے ہی دل سے پوچھئے کہ ان ہجویہ نظموں سے آپ کتنے ہندوؤں کو مسلمان بنا سکتے ہیں، یا یہ بھی نہ سہی تو یہ کہ کتنوں کو اسلام سے قریب لا سکے ہیں؟

☆☆☆

جادۂ حق

صراطِ مستقیم اور اس کے بنیادی اصول

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مسلمانوں کو خیر امت کا لقب دیا گیا ہے، یعنی ان کو بہترین قوم اور امت بتایا گیا ہے، ان کو دنیا میں اس حیثیت سے اس لیے بھیجا گیا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو اچھی بات کی طرف بلاسکیں، اور بری باتوں اور غلط کاموں سے روک سکیں، مسلمانوں کی یہ بہت بڑی ذمہ داری اور ان کی بہت بڑی ڈیوٹی ہے کہ وہ خود بھی نیک بنیں، اور دوسروں کو نیکی کے راستے کی طرف بلائیں، برائی اور زندگی کو نقصان پہونچانے والی باتوں سے روکیں، اس کام کو صحیح طریقے سے انجام دینے کے لیے ہم کو سب سے پہلے خود نیک بننا ہوگا، اور اپنی زندگی کے اندر اچھا نمونہ پیدا کرنا ہوگا، تاکہ اس سے دوسرے لوگ دیکھ کر متاثر ہوں اور ان پر یہ بات ثابت ہوجائے کہ ایک مسلمان کی کیا شان ہوتی ہے، اور وہ اپنے سے زیادہ دوسروں کا کتنا خیال رکھتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کو پسند کرنا اور دوسروں کو اس کی طرف بلانا، اور بری باتوں سے روکنا، اسلام کی نشانی ہے، وہ ہر مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس نشانی کو اختیار کرے، اور اس کو اپنی ڈیوٹی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ وہ اس ڈیوٹی کو اگر پوری کرتا رہے گا تو انسانیت کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دے گا، اور دنیا میں امن و اطمینان قائم کرنے میں بڑا رول ادا کرے گا، اور تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے میں پوری طرح مددگار بن کر اور ہر طرف بھائی چارہ قائم کر کے سماج کو خوشحالی اور سکون کے راستے پر لے جائے گا، اور ایک انسان ہونے کے ناطے جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، اس کو نہات اطمینان سے انجام دے گا۔

آپ غور کیجیے تو آج کے بگڑے ہوئے ماحول میں اس کام کی کتنی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور دنیا میں سب کچھ ہوتے ہوئے امن و اطمینان کی فضا نہیں پائی جاتی۔ علم اور دولت، تمدن اور ترقی سب کچھ ہے، لیکن اگر نہیں ہے تو یہ کہ اچھی اور نیک باتوں کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا اور غلط کاموں سے دور رہنا، یہ ایک ایسا تاریک پہلو یعنی ڈارک کارنر، ہماری زندگی کے اندر ہے کہ ہم اس پر جتنا بھی افسوس کریں کم ہے، ہمیں اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے اپنے اندر مسلمان کی شان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہارا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمہارا پڑوسی تمہاری تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے، اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ پڑوسی مسلمان ہو، بلکہ وہ جو بھی ہو، مسلمان یا غیر مسلم تمہارا معاملہ اس کے ساتھ بہت بہتر ہونا چاہیے۔

آج پھر ہماری بات چیت کا موضوع وہی ہے یعنی اچھی باتوں کی طرف لوگوں کو بلانا اور بری باتوں سے روکنا، آپ غور کریں تو مذہب اسلام کی بنیاد ہی یعنی اس کی (بیس) اسی اصول پر قائم ہے، پیغمبر اسلام محمد کو دنیا میں بھیجنے کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا، وہ بگڑے ہوئے انسانوں کو خدا کی طرف بلائیں، ان کے اندر جو خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں ان کو دور کریں، اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ انسانوں کو خدائے تعالیٰ کی نشانیاں پڑھ کر سناتے اور اس کی بڑائی کا پرچار کرتے، اور ان کے دلوں پر جو گرد و غبار کی تہ جم گئی تھی اس کو صاف کرتے اور پھر ان کو علم و حکمت سکھاتے اور زندگی کی کامیابی کے لیے جو باتیں ضروری تھیں وہ ان کو بتاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھاتے اور سناتے تھے اور ان کو ہر طرح کی خرابیوں سے پاک کرتے تھے اور ان کو خدا کی کتاب اور عقل و سمجھ کی باتیں بتاتے تھے، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر بیان ہوا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو عزت و بلندی کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کو ہرگز کسی ایسی حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا جو ان کے بلند مقام سے فروتر، کمتر اور گھٹیا ہو۔

ہر زمانے میں اگر آپ جائزہ لیں تو انسان کو انسان کے بلند مرتبہ تک پہونچانے کی کوششیں جاری رہیں، اور اس کو اخلاق اور کیریکٹر کی بلند چوٹی تک لے جانے کے لیے خدا کے نیک بندے کوششیں کرتے رہے، اور اس راستے میں وہ ہر طرح کی تکلیف بھی اٹھاتے رہے، لیکن

اسلام کی تمام تر توجہ اس مشن پر لگ گئی کہ وہ سماج کو اونچا اٹھانے کے لیے اور تہذیب وتمدن قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے انسان کو اس کا مرتبہ یاد دلائے، اور دنیا میں اس کا کیا کردار ہے، اور اس کی کیا اہمیت ہے وہ اس کو باور کرائے، اس لیے کہ جب انسان اپنے صحیح مقام پر رہے گا تو وہ دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا ہے اور وہ ایسی تہذیب رائج کر سکتا ہے جس کو انسانی تہذیب سے یاد کیا جاسکے۔

اسلام خود ایک تہذیب ہے، ایک مثالی سویلائزیشن ہے، اس میں اخلاقی قدریں (Moral Values) بہت زیادہ اور بہت اچھے انداز سے پائی جاتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر سماج بنتا ہے، اور اس سماج کے لوگ محبت و بھائی چارہ کے راستے پر چلتے ہیں، اور دنیا سے برائیوں، گناہوں اور بداخلاقیوں کا خاتمہ کرتے ہیں، اگر آپ کو کسی ایسے سماج اور سوسائٹی کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپ اسلام کی پہلی صدیوں اور اس کی شروع کی تاریخ میں اس کو تلاش کریں، آپ دنگ رہ جائیں گے کہ اس وقت کے انسان کیسے تھے، ان کے اندر کتنی خوبیاں تھیں، وہ دوسرے کے لیے بھلائی چاہتے تھے اور خود کو بھول کر دوسرے کو ہر طرح کا فائدہ پہونچاتے تھے، ان کے نزدیک دوسروں کے لیے بھلائی چاہنا اور دوسروں کا کام کرنا زیادہ اہم تھا، حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: الدین النصیحة یعنی دین اسلام نام ہے خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کا، اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔

یہ امت دنیا کی تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہے، اس کو بہتر راستہ دیا گیا ہے، وہ صراط مستقیم ہے، قرآن کریم میں ہے: "وأنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ، ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" [انعام:۵۳] (اور یہ بھی کہہ دیجیے یہی میری سیدھی شاہ راہ ہے تو اسی پر چلو، اور دوسری راہوں پر نہ چلو، کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ)۔ صراط مستقیم کی دعا ہر نماز میں کی جاتی ہے، صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر انبیاء، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ اور نیک بندے چلے، اسی راہ پر لوگوں کو لانے کے لیے دعوت کی محنت ہوتی ہے، اس محنت میں اللہ رب العزت کی توفیق کو خاص دخل ہے، دعوت کا راستہ الٰہی راستہ ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم میں آیا ہے: "وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" (اللہ کی راہ میں انتھک کوشش کرو، کیونکہ اللہ نے تم کو منتخب کیا ہے، دین میں کوئی کمی نہیں رکھی ہے، اس میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، خواہ وہ مسئلہ معاشرتی ہو یا ثقافتی، سیاسی ہو یا اجتماعی، اقتصادی ہو یا اخلاقی، ہر درد کا درماں اسی مذہب اسلام میں موجود ہے، زمانہ لاکھ ترقی کر جائے، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں نئی نئی دریافتیں آجائیں، ایجادات کے انبار لگ جائیں، لیکن اگر انسانیت کو کہیں سے سکون حاصل ہوگا تو وہ مذہب اسلام ہے، اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ دین میں کوئی کمی نہیں ہے، دین چودہ سو سال پہلے تھا، اور لوگوں کی ضروریات پوری کر رہا تھا، اور آج بھی ہے جو لوگوں کے مطالبات کو پورا کر رہا ہے، دین آسان ہے، اس میں دشواری نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اللہ ہی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، سچا مسلمان وہ ہے جو اسلامی تعلیمات پر صد فیصد عامل ہو، دین مکمل ہے اسلام کی نعمت بھی مکمل ہے، اس لیے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر اختیار کرنے کا مطالبہ کیا ہے، ارشاد ہے: "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" (اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، کیونکہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)۔

صحابہ کرامؓ میں ایک صحابی ایسے تھے، جو اکثر اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ایک ایک سنت پر عامل تھے، لیکن ان کے دل کے اندر ایک خیال آیا کہ کہیں ہمارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا عُجب اور خود بینی کا باعث تو نہیں، چنانچہ اپنا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت سے قریب کر دے، اور دوزخ سے دور کر دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کو سمجھ لیا، چنانچہ فرمایا: تم نے ایک بڑی بات کا سوال کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لیے آسان کر دیں تو اس کے لیے آسان ہے اور فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، اور اگر وسعت ہو تو حج کرو، یہ وہ اعمال ہیں جن کو وہ صحابی خوبی کے ساتھ کر رہے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور رہنے کا جو نسخہ بتایا وہ ان ہی اعمال سے عبارت ہے، اس سے معلوم

ہوا کہ انسان کو برابر اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے، کسی ذات سے قربت اسی وقت مفید ہوگی جب اعمال ساتھ دیں گے، اور اخلاص نیت کے ساتھ کیے گئے ہوں گے اور اگر اس میں کمی ہے تو اللہ ہی اس شخص کا مالک ہے۔

ان صحابی کا نام جنہوں نے سوال کیا تھا، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے، معاذ ابن جبلؓ نے یہ سوال اس لیے کیا تھا تاکہ ان کے دل کی اندر رفاقت رسولؐ سے کوئی عجب نہ پیدا ہو، مجھے اجازت دیجیے کہ میں کہوں کہ خواص کے طبقے میں کبر بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے، کبر کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، اور اپنا نقصان آپ اٹھاتا ہے، کبر بہت سی برائیوں کی جڑ ہے، شیطان رجیم نے تمام برائیوں کا ذمہ لیا تھا، اور ان میں وہ سرگرم ہے، اس وجہ سے اکثر افراد خواص بھی اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں، تواضع اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ (جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مرتبہ کر دیتا ہے)، کبر کے حوالہ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے، عظمت مرا ازار ہے، جو شخص بھی مجھ سے اس کو لینے کی کوشش کرے گا، میں اس کو مٹادوں گا۔

کبر بہت سی برائیوں کی جڑ ہے، اسی سے بغض، حسد، کینہ، عداوت، غفلت وغیرہ امراض پنپتے ہیں، تکبر ایسا بھیانک مرض ہے جو سیکڑوں سال کی عبادت کو بس چند گھنٹوں میں خاک میں ملا دیتا ہے، جہاں تکبر ہوا، وہاں تباہی آئی اور انسان غارت ہوا، انسان کو ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے اس کو جان بھی دی اور مال بھی دیا ہے، پھر اس نے جان ومال کو انسان سے جنت کے عوض خرید لیا ہے، یہ سودا ایسا سودمند اور نفع بخش ہے کہ اس کا تاجر اللہ کی فضل سے کبھی گھاٹے میں نہیں رہے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ" (بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے)۔

خواص کے طبقہ میں جو امراض ہیں اگر ان کا ازالہ نہیں ہوا تو وہ ناسور کی شکل اختیار کرلیں گے، اور پورا معاشرہ ان سے متأثر ہوگا، اس لیے دعوت کا کام کرنے والے افراد کو برابر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنے کو فراموش کر کے دوسروں کو اصلاح کا اور دعوت کا مستحق سمجھ رہے ہیں، اور اپنے کو غلطیوں سے مبرا خیال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے ہماری مدد فرمائے اور ہمارے لیے خیر کو مقدر فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

مجلس صحافت ونشریات کی جدید و دیدہ زیب طباعت

فتاویٰ ندوۃ العلماء (جلد چہارم)

مکمل صفحات: ۴۱۶ قیمت: ۴۰۰ر روپے

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

موبائل نمبر 9889664104, 9415515578

ای میل: ahmadniyaz7893@gmail.com

دعائے مغفرت

دفتر پندرہ روزہ عربی جریدہ 'الرائد' ندوۃ العلماء لکھنؤ کے خادم محمد مشیر کی والدہ ماجدہ کا طویل علالت کے بعد ۲۹ر جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۲ر فروری ۲۰۲۲ء بدھ کو ندوہ کالونی سکروری میں انتقال ہوگیا، اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ بعد نماز عشاء مرحومہ کے داماد حافظ عبدالمتین نے پڑھائی اور مہپت مئو قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ وتدفین میں 'الرائد' کے ایڈیٹر جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی، مولانا محمد عثمان ندوی، مولانا محمد وثیق ندوی، حافظ عبدالکریم ندوی اور حافظ مصباح الدین کے علاوہ اعزہ واہل تعلق نے شرکت کی۔ پسماندگان میں مرحومہ کے شوہر، چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں مقام عطا کرے، آمین۔

فکر معاصر

قرآن کریم اور پُرامن معاشرہ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

قرآنی تصور کی رو سے مثالی انسان وہ نہیں جو صرف کسب معاش اور خواہشات نفس کی تکمیل کی تگ ودو میں لگا رہے، بلکہ قرآن کریم کی نظر میں نیک انسان وہ مومن صالح ہے جو اپنے خالق کا حق شناس ہو، اپنی زندگی کو اپنے خالق ومالک کی مرضی ومنشا کے مطابق گزارے، اللہ کے بندوں کے درمیان ایک فرد صالح اور انسانی برادری میں ایک شریف رکن کی حیثیت سے رہے، پوری انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے کوشاں رہے، نہ کہ صرف اپنے مفاد کے لیے۔

درحقیقت قرآن کریم کی نظر میں بہترین مثالی انسان وہ ہے جو دوسروں کی خاطر اپنے نفس کو قربان کردے، اس طرح مادی تربیت اور اسلامی تربیت میں بڑا نمایاں فرق ہے، مادی تربیت خودغرضی اور مفاد پرستی کو بڑھاوا دیتی ہے، جبکہ اسلامی تربیت انسان کو انسانیت، قربت، خلوص ومحبت، ایثار وقربانی اور ہمدردی وغمگساری کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔

اسلامی تربیت جس کا مصدر وماخذ قرآن کریم ہے ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھتی ہے کہ انسانی سرگرمی کا کوئی پہلو مغلوب نہ ہونے پائے، اور جسم، عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رہے، انسان کو دوسرے کے لیے آئیڈیل بناتی ہے، اور کائنات میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کی ترغیب دلاتی ہے، اس اعتبار سے اسلامی تربیت انسان کے جسمانی، عقلی، شعوری، سماجی، ذوقی اور روحانی تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اور اسلامی تربیت انسان کو متوجہ کرتی ہے کہ اس کی تمام سرگرمیاں ایک اعلیٰ مقصد پر مرکوز ہوں، اور وہ دنیا وآخرت میں اللہ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کا ذریعہ ہو۔

اسلام جس کا منبع وسرچشمہ قرآن ہے، ایسے فرد اور سماج کی تشکیل کرتا ہے جس میں صرف خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش ہو، اور پھر اس کے ذریعہ سے اس میں اجتماعی زندگی کی خوبیاں: باہمی تعاون، یکجہتی، رواداری، ہمدردی، اخوت وبھائی چارہ اور الفت ومحبت کی جلوہ گری ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان کی ذاتی صلاحیتیں اور شخصی خصوصیات مجروح نہ ہوں۔

کمانا اور جنسی خواہشات کو پورا کرنا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، لہٰذا انسان کی طبیعت بغیر کسی ترغیب وتلقین کے ان کی طرف مائل ہوتی ہے، قرآن کریم نے اس سلسلہ میں بھی سب سے الگ اور منفرد انداز اختیار کیا ہے، لہٰذا قرآن کریم نے حلال کمائی کی جگہیں اور طریقے اس طور پر متعین کیے ہیں کہ کسب معاش ذکر اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے، کیونکہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد عبادت اللہ ہی ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونَ" [سورہ ذاریات:۵۶] (اور میں نے تو جن وانس کو پیدا ہی اس غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں) قرآن ان لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جنہوں نے عبادت اور تجارت کو تناسب کے ساتھ جمع کرلیا تھا: "رِجَالٌ لاَّ تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلاَ بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّهِ" [سورہ نور:۳۷] (ایسے لوگ جنہیں نہ تو تجارت غفلت میں ڈالتی ہے نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے) "فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاَةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّهِ وَاذْكُرُوا اللّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" [سورہ جمعہ:۱۰] (پھر جب نماز پوری ہوچکے تو زمین پر چلو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

قرآن کریم نے کسب سے زیادہ انفاق پر زور دیا ہے، اس لیے کسب تو انسان کی فطرت میں داخل ہے، لہٰذا قرآن نے جگہ جگہ پر خرچ کرنے کے مواقع بیان کیے ہیں، اور افراد اور معاشروں کو مال کی محبت، استحصال اور خودغرضی سے پاک کرنے پر ابھارا ہے، اس لیے کہ یہی ہر بیماری کی جڑ ہے، اور مال کی محبت سماج کے بگاڑ اور طبقاتی استحصال کا بنیادی سبب ہے۔

قرآن کریم نے جس طرح انفاق پر زور دیا ہے، اسی طرح جنسی خواہشات میں اسراف سے ڈرایا بھی ہے، لہٰذا قرآن نے بار بار جنسی خواہشات میں اسراف اور انتہاپسندی کے خطرات سے آگاہ کیا ہے، حدود بیان کیے ہیں اور ان اسباب کو بیان کیا جن سے انسان اس وبا کا شکار ہوتا ہے۔

سورہ اسراء میں بہت سی ایسی آیات ہیں جنہیں اخلاقیات، تربیت اور امن عالم کا اعلامیہ کہا جاسکتا ہے، ان آیات میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو سمیٹ دیا گیا ہے، اور انسانی طبیعت میں کمزوریاں کیا ہیں اور ان کا علاج کیا ہے، سب کو بیان کردیا گیا ہے:

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے فیصلہ کردیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں

باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو ان کو اف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا، اور عجز و نیاز سے ان کے ساتھ رہو، اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انہوں نے میری بچپن میں شفقت سے پرورش کی ہے تو بھی ان کے حال پر رحمت فرما، جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے، اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے، اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ، کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے، اور اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کرسکو تو ان سے نرمی سے بات کہدیا کرو، اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو، (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت زدہ اور ہاتھ باندھ کر بیٹھ جاؤ، بیشک تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کردیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے، وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے، اور ان کو دیکھ رہا ہے، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا، کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے، اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے، اور جس جاندار کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا، مگر جائز طور پر (یعنی بہ فتوی شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے، وہ منصور اور فتحیاب ہے، اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا، مگر ایسے طریقے سے کہ بہت بہتر ہو، یہاں تک وہ جوانی کو پہونچ جائے، اور عہد کو پورا کرو، کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی، اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو، اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو، یہ بہت اچھی بات ہے، اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے، اور اے بندے جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب جوارح سے ضرور باز پرس ہوگی، اور زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا، اور نہ لمبا ہوکر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا، ان سب عادتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے، اے پیغمبر یہ ان ہدایتوں میں سے ہے جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں، اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ایسا کرنے سے ملامت زدہ اور درگاہ خدا سے راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دئے جاؤ گے)۔[سورہ بنی اسرائیل:۲۳-۳۹]

قرآن کریم اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ انسانیت کا احترام و اکرام کیا جائے اور انسان کی صرف جسمانی حفاظت نہ کی جائے؛ بلکہ اس کے احساسات وجذبات کا بھی لحاظ رکھا جائے، قرآن کریم میں اس طرح کی تعلیمات بکثرت موجود ہیں:"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً" (ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور بحر و بر دونوں میں سوار کیا، اور عمدہ قسم کا رزق فراہم کیا، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی)۔[الإسراء:۷۰]

قرآن کریم حقوق انسانی اور کرامت انسانی کی پاسداری اتنی کرتا ہے کہ تمسخر، استہزا اور طعن وتشنیع کی بھی اجازت نہیں دیتا، قرآن کریم صراحت کے ساتھ اعلان کرتا ہے:"يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ" [سورۃ الحجرات:۱۱-۱۳] (اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں، اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، کہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کرو، اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا خوف رکھو، بے شک خدا

توبہ قبول کرنے والامہربان ہے)۔

قرآن کریم میں انسانوں کے حقوق کی پاسداری اور بغیر کسی تفریق وامتیاز کے انسان کا احترام مرکزی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے ، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِیْراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْباً،وَآتُوا الْیَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِیْراً" (اے لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں کے ذریعہ بہت سے مرد وعورت کو پیدا کیا، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے سامنے تم دست سوال دراز کرتے ہو اور رشتہ داری کا خیال رکھو، بیشک اللہ تعالی تمہارا نگہبان ہے، اور یتیموں کو ان کا مال دیدو اور اچھے مال کے بدلے میں خراب مال نہ دو، اور اپنے مالوں کو ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔[سورہ نساء:۱-۲]

قرآن کریم قومیت اور عصبیت کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تفریق کرنے سے روکتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے: "یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ" [سورہ حجرات:۱۳](اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو مختلف کنبوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے)۔

اسلام نے کرامتِ انسانی کو مجروح کرنے والے اسباب ووسائل پر ہی قدغن لگادی ہے اور ان پر پابندی عاید کردی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:"مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِی الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعاً وَمَنْ أَحْیَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعاً"[سورۃ المائدۃ:۳۲](جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد مچایا تو گویا کہ اس نے پوری انسانیت ہی کو قتل کردیا اور جس نے کسی نفس کو زندگی بخشی تو گویا کہ اس نے پوری انسانیت کو زندگی عطا کی)۔ اس تکریم میں عقیدہ کا بھی احترام شامل ہے؛ اس لیے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو برا بھلا کہنے، ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور دوسرے مذاہب کی مقدس ومحترم ہستیوں کے سلسلے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:"آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَیْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ" [البقرۃ:۲۸۵](رسول رب کی طرف سے نازل ہونے والے احکام پر ایمان لے آئے اور ایمان والے بھی، سب کے سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے)۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ مذکور ہے: "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْواً بِغَیْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا یَعْمَلُونَ"[الأنعام:۱۰۸](جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں ان کو برا بھلا مت کہو، ورنہ وہ نادانی ودشمنی میں خدا کو برا بھلا کہیں گے، اسی طرح ہم نے ہر قوم کے عمل کو مزین کردیا ہے، پھر سب کے سب اپنے پروردگار کے پاس لوٹ آئیں گے، پھر اللہ تعالی ان کو بتلا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔قرآن اقتصادیات میں بھی شرافت انسانی کی تذلیل وتوہین سے منع کرتا ہے، چنانچہ اس میں بہت سی آیتیں ہیں جو لوگوں کو اس بات پر ابھارتی ہیں کہ فقرا ومساکین پر اپنا مال خرچ کریں اور دوسروں کو ترجیح دیں۔

"وَیُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن یُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" [الحشر:۹](اور وہ خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود انہیں ضرورت ہو، اور جو حرص وہوس سے بچالئے گئے وہی لوگ کامیاب ہیں)۔ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:"وَیُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِیْناً وَیَتِیْماً وَأَسِیْراً" (اور باوجودیکہ انہیں کھانے کی چاہت ہو وہ مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں)۔قرآن کریم اقتصادی زندگی میں توازن اختیار کرنے اور اسراف سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے، عباد الرحمٰن کے اوصاف کے تذکرہ میں قرآن کہتا ہے:"وَالَّذِیْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ یُسْرِفُوا وَلَمْ یَقْتُرُوا وَكَانَ بَیْنَ ذَلِكَ قَوَاماً" [سورہ فرقان:۶۷](اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی، اور ان کا خرچ اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے)۔

اسی طرح قرآن کریم نے تواضع وعاجزی، صبر وبرداشت، حلم وبردباری، ملنساری وخندہ پیشانی اور عام زندگی میں اخلاق برتنے کی تعلیم دی

ہے اور غرور و تکبر، نخوت و پندار اور بڑائی کے اظہار سے منع کیا ہے، قرآن کہتا ہے: "یَا بُنَیَّ أَقِمِ الصَّلَاۃَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنکَرِ وَاصْبِرْ عَلَی مَا أَصَابَکَ إِنَّ ذَلِکَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ، وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ، وَاقْصِدْ فِی مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِکَ إِنَّ أَنکَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیرِ" [سورہ لقمان: ۱۷-۱۹] (اے میرے بیٹے نماز قائم رکھو، بھلائی کی تلقین کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو اور تمہیں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرتے رہو، یقیناً یہ بڑی ہمت کے کام ہیں، اور لوگوں کے لیے گال مت پھلاؤ اور نہ زمین میں اکڑ کر چلو، بلاشبہ کسی اکڑنے والے اترانے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا، اور درمیانی چال چلو اور آواز دھیمی رکھو، یقیناً بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے) ایک دوسری جگہ قرآن کہتا ہے: "وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِینَ یَمْشُونَ عَلَی الْأَرْضِ ہَوْناً وَإِذَا خَاطَبَہُمُ الْجَاہِلُونَ قَالُوا سَلَاماً" [سورہ فرقان: ۶۳] (اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور نادان لوگ ان کے منہ لگتے ہیں تو وہ صاحب سلامت کر لیتے ہیں)۔

قرآن نے سیاست کے باب میں بھی عدل وانصاف اختیار کرنے کی تاکید کی ہے حتی کہ بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے: "وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوَی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّہَ إِنَّ اللَّہَ شَدِیدُ الْعِقَابِ" [المائدۃ: ۲] (کسی قوم سے اس بات کا بغض کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرو اور تم لوگ تقوی اور نیکی کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالی سخت سزا دینے والا ہے)۔

اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: "یَا أَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوَّامِینَ لِلَّہِ شُہَدَاء بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَی أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا ہُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَی وَاتَّقُوا اللَّہَ إِنَّ اللَّہَ خَبِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ" [المائدۃ: ۸] (اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کیساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو انصاف کی ڈگر سے ہٹا نہ دے، عدل وانصاف سے کام لو، یہی تقوی کے زیادہ قریب ہے، اللہ سے ڈرو، اللہ تعالی کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے)۔

یہ ہے پرامن معاشرہ کے متعلق قرآن کریم کی واضح اور مفصل تعلیمات کا خلاصہ، مومنین عقیدۂ توحید کے معاملہ میں بالکل فولاد ہیں، لیکن جب ان کے اخلاق ومعاملات پر نظر ڈالی جائے تو ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں، ایک صحیح العقیدہ مومن کی شان ہی یہی ہے کہ وہ عقیدۂ توحید میں فولاد کی طرح سخت اور معاملات واخلاق میں ریشم کی طرح نرم ہو، اس لیے کہ مومن کا عقیدہ اسے اللہ کے احکامات بجالانے کی دعوت دیتا ہے، اور گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، جب کسی معاشرہ میں فولاد کی سی سختی اور ریشم کی سی نرمی پیدا ہوجائے تو وہ ایک بہترین معاشرہ ہوتا ہے اور جب معاشرہ میں اجتماعی اور شخصی حقوق کے مابین توازن قائم ہوجائے تو یہ معاشرہ ممتاز معاشرہ بن جاتا ہے۔

اور جن لوگوں نے عصبیت سے بلند ہوکر صاف دل سے قرآن کا مطالعہ کیا انہوں قرآن کریم کی ان مثالی تعلیمات کا اعتراف کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

اس کے برعکس جب ہم اس معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں جس کی تشکیل تہذیب حاضر کی روشنی میں ہوئی ہے تو انتہا پسندی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، وہ ایک انتہا پسند معاشرہ ہے، نہ اسکی ایسی خصوصیات ہیں جو اس کی پہچان بن سکیں اور نہ ہی اس کے امتیازات ہیں جو اس کی شان ہوں، اس کی عمارت ہی غلط بنیادوں پر قائم ہے، اس کی اساس ہی تناقضات کا مجموعہ ہے، اس کا کوئی مرکزی عنصر اور محور نہیں سوائے خودغرضی اور لذت نفس کے۔

اسلام کا مطالعہ کر کے اسلام قبول کرنے والوں نے اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی عملی زندگی میں تضاد کا شکوہ کیا ہے، انہوں اس بات سے اپنی حیرانی ظاہر کی کہ جب انہوں نے اسلام کو پڑھا تو اس کے نظام عدل سے اور اس کے قانون میں انسانیت کے احترام ووقار سے متاثر ہوئے، لیکن جب مسلمانوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے اور کسی مسلم اکثریت والے ملک میں رہنے کا موقع ملا تو کتابوں کے اسلام اور عملی زندگی کے اسلام میں بڑا فرق پایا۔

گویا کہ ہم آج ایسی باتوں کی دعوت دے رہے ہیں جن پر ہم خود اپنی عملی زندگی میں عمل نہیں کرتے، بلکہ ہماری عملی زندگی اور سلوک وکردار غیر مسلم سے مختلف نہیں، لہذا اسلام کی اشاعت و تعارف اور دعوت میں جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ اس وقت تک ثمر آور نہیں ہوسکتیں جب تک ان کے ساتھ اسلام کو عملی طور پر زندگی میں برتنے کی کوشش نہ کی جائے۔

☆☆☆☆☆

آداب زندگی

غیبت سے بچنے کا طریقہ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

غیبت سے بچنے کے لیے ایک اصول یہ ہے کہ:

”بے سوچے ہرگز کوئی کلام نہ کیا جائے، اگرچہ بعض اوقات یہ بھی نہ یاد رہے گا کہ سوچ کر بولوں مگر خیال رکھنے سے اکثر اوقات یاد رہے گا کہ سوچ کر بولوں، پھر ان شاء اللہ ذہول نہ ہوگا، پس جب سوچ کر بولا جائے تو ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ اس کلام سے گناہ تو نہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ اصلاح ہوجائے گی“۔

یعنی بے سوچے سمجھے بولنے کی جو عادت پڑی ہوئی ہے، اس کو ختم کرو، بولو تو سوچ کر بولو، اور یہ سوچو کہ جو کلمہ میں زبان سے نکالنا چاہتا ہوں، وہ کہیں مجھے گناہ میں اور اللہ کی نافرمانی میں مبتلا نہ کردے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قل خیراً والا فاصمت“ یا تو بھلائی کی بات کہو ورنہ خاموش رہو۔ خاموش رہنا ہزار درجہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آدمی فضول ایسی باتیں کرتا پھرے جو اس کے لیے عذاب جہنم کا باعث ہوں۔

جہنم میں اوندھے منہ ڈالنے والی

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ھل یکب الناس فی النار الا حصائد ألسنتھم“ یعنی لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی چیز ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات ہوں گے، العیاذ باللہ۔ یہ زبان سرکاری مشین ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عطا فرمادی ہے، جب سے پیدا ہوئے اس وقت سے یہ مشین چل رہی ہے اور مرتے دم تک چلتی رہے گی، نہ اس میں تیل ڈالنے کی ضرورت، مگر یہ کام کررہی ہے اور اس طرح کام کررہی ہے کہ جیسے ہی ذہن میں ایک بات آئی کہ یہ بات زبان سے ادا کروں، بس فوراً وہ بات زبان کے ذریعہ باہر آجاتی ہے، گویا کہ آٹو میٹک مشین ہے، اس نعمت کی ہمیں قدر اس لیے نہیں ہے کہ یہ نعمت بچپن سے ہمارے ساتھ ہے اور کام دے رہی ہے، اور اس کے حصول کے لیے کوئی روپیہ پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا، اور کوئی محنت نہیں اٹھانی پڑی، اس لیے اس کی قدر نہیں۔

زبان کی قدر کریں

اس کی قدر ان لوگوں سے پوچھئے جن کی گویائی کی قوت سلب ہوچکی ہے، کہ وہ کس عذاب کے اندر مبتلا ہیں؟ جن لوگوں کی فالج کی وجہ سے زبان بند ہوجاتی ہے، وہ بات کہنا چاہتے ہیں، اپنی بیوی بچوں سے، اپنے ماں باپ سے، اپنے بھائی سے، اپنے دوست سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، لیکن قوت گویائی نہیں ہے، بول نہیں سکتے۔ بعض اوقات اپنا سر پیٹ لیتے ہیں کہ میں کہنا چاہتا ہوں، میں اپنے دل کی بات اس کو کیسے سمجھاؤں، اس وقت پتہ چلتا ہے کہ اس زبان کی گویائی کی کیا قیمت ہے، خدا نہ کرے، اگر ہم میں سے کسی کی گویائی دو منٹ کے لیے بند ہوجائے، اور بولنے کی طاقت نہ رہے، اور دوسرا شخص کہے کہ تمہاری بولنے کی طاقت تمہیں واپس نہیں مل سکتی، پہلے اس کے لیے تمہیں خرچ کرنا پڑے گا تو لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجائے گا تاکہ مجھے یہ قوت گویائی واپس مل جائے، اب اس وقت یہ گویائی مفت ملی ہوئی ہے، اور یہ زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے، اور انسان کو جا بیجا استعمال کر رہا ہے، اور اس کے ذریعہ حلال اور حرام ایک کر رکھے ہیں، کوئی فکر نہیں۔

دو عظیم کلمے

شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ یہ سرکاری مشین تمہیں مفت ملی ہوئی ہے اور کام دینے والی مفید چیز ہے تو اس کا فائدہ بھی بڑا عظیم ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ زبان سے ”سبحان اللہ“ کہہ دیا یا ”الحمد للہ“ کہہ دیا تو میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے۔ بخاری شریف کے ختم کے موقع پر حدیث سنتے ہیں کہ:

”کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم“ دو کلمے ایسے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں، جن کا زبان سے ادا کرنا بہت آسان ہے، ایک لمحے میں ادا ہوجاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں میزان عمل میں بڑے بھاری ہیں، وہ دو کلمے یہ ہیں: ”سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم“ لہٰذا اگر انسان اس زبان کو صحیح استعمال کرلے تو جنت کی نعمتوں کے ڈھیر لگا سکتا ہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اس زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو گے تو تمہارے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا، نیکیوں کے ڈھیر لگتے رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب کا خزانہ اکٹھا ہوتا رہے گا۔

اسلام میں داخل کرنے والی چیز

یہی زبان ہے جو انسان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دیتی ہے، ایک ستر برس کے کافر کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دیدی اور اس نے زبان سے "اشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمداً رسو ل الله" کہہ دیا تو وہ ستر برس کا کافر جہنم کے ساتویں طبقے سے نکل کر ایک لمحے میں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا، یہ کس کی بدولت ہوا؟ اس زبان کی بدولت ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس زبان میں یہ تاثیر رکھی ہے، ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص کی ساری عمر کفر میں، فسق وفجور میں اور بداعمالیوں میں گزری، آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دے دی اور اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اب اگر کلمہ شہادت پڑھنے سے ذرا دیر پہلے انتقال ہوجاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا، لیکن جب اس کلمہ کے پڑھنے کے بعد انتقال ہوا تو سیدھا جنت میں چلا گیا، اس کلمہ نے اس کو جہنم کے ساتویں طبقے سے نکال کر جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا۔

زبان کا فائدہ اور نقصان دونوں عظیم

لہٰذا اگر چاہو تو اس زبان کے ذریعہ آخرت کا ذخیرہ جمع کرلو۔ تلاوت کے ذریعہ، ذکر وتسبیح کے ذریعہ، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ذریعہ، شکر کے ذریعہ اور کسی مسلمان بھائی کا دل خوش کرنے کے ذریعہ آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کرلو، کیونکہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالنا جس سے دوسرے مسلمان بھائی کا دل خوش ہوجائے، یہ بھی صدقہ ہے، اور اگر زبان کو غلط استعمال کیا جائے تو اس کا نقصان بھی بہت ہے، جیسا کہ پہلے یہ حدیث سنائی کہ لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی چیز اس زبان کے کرتوت ہوں گے، کیونکہ جھوٹ یہ بول رہی ہے، غیبت یہ کر رہی ہے، دل آزاری یہ کر رہی ہے، فحش کلامی یہ کر رہی ہے، اور یہ سب کام انسان کو جہنم کے اندر اوندھے منہ گرانے والے ہیں، لہٰذا جب اس زبان کا فائدہ بھی عظیم ہے اور نقصان بھی عظیم ہے تو عافیت اور نجات کا راستہ یہ ہے کہ آدمی سوچ سمجھ کر زبان کو استعمال کرے، اسی لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب کوئی کلمہ بولو، تو بولنے سے پہلے سوچو کہ یہ کلمہ مجھے جنت میں لے جارہا ہے یا جہنم میں لے جارہا ہے۔

جواب سے پہلے خاموش رہنا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ: جب کوئی شخص آکر ان سے سوال کرتا تو بعض اوقات امام صاحب دیر تک خاموش رہتے، کوئی جواب نہ دیتے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! اتنی دیر ہوگئی، آپ کچھ بول ہی نہیں رہے، کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں؟ جواب میں فرمایا: حتى اعرف أن الفضل فى السكوت أو فى الكلام میں اس لیے خاموش ہوں کہ پہلے یہ دیکھ لوں کہ خاموش رہنا زیادہ بہتر ہے یا بولنا زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا پہلے تول رہے ہیں کہ اب جو کلمہ بولوں گا، یہ میرے لیے فائدہ مند ہوگا یا نقصان دہ ہوگا، پہلے تولو پھر بولو، جو کلمہ زبان سے نکالو، تول کر نکالو کہ یہ کلمہ کیسا ہے اور کتنا ہے؟ اور اس سے مجھے فائدہ پہنچے گا یا نقصان پہنچے گا؟

زبان کی حفاظت پر جنت کی ضمانت

اسی لیے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من يضمن لى ما بين لحييه و ما بين رجليه اضمن له الجنة" جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دیدے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، کونسی دو چیزیں؟ ایک وہ چیز جو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان، اس کی ضمامت دیدے کہ وہ اس کو غلط استعمال نہیں کرے گا، اور ایک وہ چیز جو ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ، کہ اس کو غلط استعمال نہیں کرے گا، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

لہٰذا یہ نہ ہو کہ یہ سرکاری مشین مفت میں مل گئی ہے تو اب صبح سے شام تک قینچی کی طرح چل رہی ہے اور رکنے کا نام نہیں لیتی، جو منہ میں آرہا ہے بک رہے ہیں، کوئی سوچ وفکر نہیں۔ یہ حالت ٹھیک نہیں، بلکہ بولنے سے پہلے سوچو کہ جو بات منہ سے نکالنے والا ہوں وہ فائدہ پہنچائے گی یا نقصان پہنچائے گی؟ اس کے بعد زبان سے بات نکالو۔

فضول گوئی پر دو طالب علموں کا واقعہ

دہلی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے،

ان کی نازک مزاجی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں ۔ ایک مرتبہ دو طالب علم ان سے بیعت ہونے کے لیے 'بلخ' سے آئے ، بلخ افغانستان کا ایک شہر ہے ، وہاں انھوں نے یہ سنا کہ دہلی میں ایک ہی بڑے بزرگ اور اللہ والے ہیں ، تو دل میں خیال آیا کہ ان سے بیعت ہونا چاہیے ، چنانچہ بلخ سے طویل سفر کر کے دہلی پہنچے ، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی مسجد میں پہنچے ، نماز کا وقت قریب تھا اس لیے حوض پر بیٹھ کر دونوں وضو کرنے لگے ، وضو کرتے وقت آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ حوض بڑا ہے یا ہمارے بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے؟ ایک نے کہا کہ یہ حوض بڑا ہے ، دوسرے نے کہا وہ بڑا ، اور آپس میں بحث ہونے لگی ، حضرت مرزا صاحب نے وہاں سے گزرتے ہوئے ان کی گفتگو سن لی ، جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت مرزا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ ہم بلخ سے آئے ہیں ، حضرت والا نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ کہا کہ ہم آپ کے دست مبارک پر بیعت ہونے آئے ہیں ، حضرت مرزا صاحبؒ نے فرمایا کہ بیعت ہونے تو آپ آئے ہیں ، لیکن کیا اس کا فیصلہ ہو گیا کہ یہ حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے؟ اب دونوں خاموش ، شرمندہ ہو رہے تھے کہ حضرت والا نے ہماری گفتگو سن لی ، حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی فیصلہ نہیں ہوا تو ایسا کرو کہ بیعت تو تم بعد میں ہونا ، پہلے بلخ جاؤ اور اس حوض کو ناپ کر آؤ ، اور واپس آ کر پھر اس حوض کو ناپو ، اور پھر فیصلہ کرو کہ کون سا حوض بڑا ہے اور کون سا حوض چھوٹا ہے ، اس کے بعد بیعت ہونا۔

کیونکہ تمہاری بحث اور گفتگو سے پتہ چلا کہ تمہاری گفتگو میں اول تو تحقیق نہیں ، احتیاط نہیں ، ایک نے ناپے تولے بغیر یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ حوض بڑا ہے ، اور دوسرے نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ حوض بڑا ہے ، اور آپس میں بحث شروع کر دی ، اس سے معلوم ہوا کہ طبیعت میں احتیاط نہیں ، دوسرے یہ کہ بیکار اور بے فائدہ گفتگو کی عادت پڑی ہوئی ہے ، اگر یہ پتہ چل جاتا کہ یہ بڑا ہے یا وہ بڑا ہے تو اس سے دنیا یا آخرت کا کیا فائدہ حاصل ہوتا ؟ لہٰذا واپس بلخ جاؤ اور وہ حوض ناپ کر آؤ ، اس کے بغیر بیعت نہیں کروں گا۔

علاج کا فائدہ

پہلے زمانے میں ایسے ہی علاج ہوا کرتے تھے ، اب یہ علاج تو بڑا سخت اور کڑوا ہوا ، لیکن ساری زندگی کے لیے یہ علاج کافی ہو گیا ہوگا ، پھر اس کے بعد ساری عمر بلا تحقیق اور بے فائدہ بات زبان سے نہیں نکلی ہوگی ، بہر حال ، اس طرح کے علاج ہوتے تھے ، یہ نہیں کہ ذکر و تسبیحات بتا دیں اور اب بیٹھے ہوئے تسبیح گھونٹ رہے ہیں ، بس وظیفہ گھونٹنے سے ہی کامل بن گئے ، بلکہ اس طرح رگڑے دیے جاتے تھے ، تب جا کر اصلاح ہوتی تھی۔

علاج سخت ہونے پر اشکال اور جواب

یہ واقعہ سنا کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ان طلبہ نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ ایک غلط کام کیا ، اگر غلط کام نہ کر رہے ہوتے تو پھر آنے کی ضرورت ہی کیا تھی ، یہ طلبہ اسی لیے تو آئے تھے کہ اپنی اصلاح کرائیں ، اگر پہلے سے کامل ہوتے اور زبان قابو میں ہوتی ، خیال قابو میں ہوتے ، تو شیخ کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی؟ لہٰذا اس غلطی پر شیخ نے بیعت کرنے سے کیوں انکار کر دیا؟ پہلے بیعت کر لیتے اور پھر علاج کرتے۔

پھر خود ہی حضرتؒ نے اس اشکال کا جواب دیا کہ یہاں دو باتیں ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ اس انکار سے یہ بتلانا منظور ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ طالب ، سالک اور مرید کو پہلے سے ان کا دھیان اور ان کی فکر ہونی چاہیے۔ شیخ سے فائدہ اسی وقت ہوتا ہے کہ جب مرید نے پہلے سے بڑے بڑے امور کا دھیان اور خیال کیا ہوا ہے ، البتہ جو دقائق اور باریک باتیں ہیں ، ان کی اصلاح شیخ سے کرانی ہے ، اس وجہ سے شیخ بیعت کرنے سے انکار کر دیتا ہے کہ تمہیں ابھی بیعت نہیں کرنا ہے۔

ہر شخص کا علاج علیحدہ

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی شیخ کے قلب پر وارد فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ اس وقت کیا معاملہ کرنا ہے ، ہر آدمی کا علاج الگ ہوتا ہے ، کسی کا علاج تھپڑ مارنے سے ہو جاتا ہے ، کسی کا علاج ڈانٹ دینے سے ہو جاتا ہے ، کسی کا علاج پیار کرنے سے ہوتا ہے ، کسی کا علاج چمکارنے سے ہو جاتا ہے اور کسی کا علاج صرف ایک نظر دیکھ لینے سے ہو جاتا ہے ، اب اللہ جل وجلالہ شیخ کے دل پر یہ وارد فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لیے اس وقت کیا چیز فائدہ مند ہے۔ دوسرا آدمی دیکھ کر یہ محسوس کرتا ہے کہ شیخ صاحب نے کچھ زیادتی کر دی ، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح اسی میں رکھی ہے۔

☆☆☆☆☆

احتساب نفس

دنیا میں ایک مسلمان کی شان

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

دین درحقیقت ایک بامقصد زندگی گزارنے کا نام ہوتا ہے، اس وقت دنیا میں مختلف ادیان و مذاہب پائے جاتے ہیں، ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے آپ کو لا مذہبی کہتا ہے، کمیونزم کی بنیاد بھی لامذہبیت پر پڑی تھی ان کے تصور میں جو دنیا میں آتا ہے وہ کھاپی کر مزے اڑا کر ختم ہوجاتا ہے، اس کے آگے پیچھے کچھ نہیں لیکن انھوں نے بھی Capitalism کی ضد میں جو بالکل دوسری حد پر تھا اس کے بالکل خلاف ایک نظریہ پیش کیا تھا، چونکہ وہ بھی اعتدال قائم نہ رکھ سکے اور فطرت انسانی کے خلاف نے انھوں نے بغاوت کی، اس لیے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے، جو مذاہب کسی بھی درجہ میں موجود ہیں ان کے مستقل اپنے معتقدات اور خیالات ہیں جن پر ان کی بنیاد ہے، ان کی حیثیت ان مذاہب کے ماننے والوں کے نزدیک ایک تصور یا خیال سے زیادہ نہیں ہے اسی لیے وہ خاص خاص مواقع پر اس کو یاد کرلیتے ہیں، ان کی زندگی میں اس کی کوئی چھاپ نظر نہیں آتی، بس چند ظاہری شکلیں ہیں جن کو ان کے یہاں کافی سمجھا جاتا ہے، جو مذاہب آسمانی کہلاتے ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہ حقیقت فراموش کرچکے ہیں، ان میں اور دوسرے مذاہب میں کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا، آخرت اور جزا وسزا کی حیثیت ایک خیال یا تصور سے زیادہ نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی زندگیوں کا محور صرف یہ دنیا رہ جاتی ہے، خدا، رسول اور آخرت کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو صرف اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے ایک وحدت قائم رکھی جاسکے، چند رسمیں اور تیوہار منالیے جاتے ہیں اور ان میں بھی یہ حقیقتیں فراموش رہتی ہیں، صرف اور صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے زندگی کے ایک ایک لمحہ کو قیمتی بنانے کے اصول پیش کیے ہیں، اور ایک ایک سانس کو یاد الٰہی سے جوڑا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کا کوئی لمحہ بھی بے مقصد نہیں ہے، اب یہ ذمہ داری انسان کی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اور اس کے ایک ایک لمحہ کو کتنا بامقصد بناتا ہے۔

اسلام دین اور دنیا میں کوئی تفریق نہیں کرتا، اس کے نزدیک یہ دنیا اور اس کی ساری ضروریات اور تقاضے دین ہی کا ایک حصہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کے رخ کو درست کرتا ہے، اور اس کے قبلہ کو صحیح کرکے اس کو مقصد حقیقی عطا کرتا ہے، اسلام غفلت کو پسند نہیں کرتا، اس کا مطالبہ یہ ہے کہ پوری زندگی صحیح سمت پر پڑ جائے اور اس کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، مقصد ہمیشہ پیش نظر رہے، اسلامی مظاہر اختیار کرلینے اور ظاہری عبادات کرلینے کے بعد مسلمان آزاد نہیں ہوتا، بلکہ اس سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری کرے، دوسروں کے حقوق بھی ادا کرے، اور اپنے وقت کو بیکار نہ گزارے، بہتر سے بہتر تر کو اختیار کرنے کی کوشش کرے اور کسی لمحہ مایوس نہ ہو، اسلام اس کی ہرگز تعلیم نہیں دیتا کہ اگر کسی کو معلوم ہوجائے کہ کچھ ہی وقت کے بعد اس کی موت ہونے والی ہے تو وہ معطل ہوجائے، اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر کوئی درخت لگا رہا ہے؟ اور موت آنے والی ہو تو اس کے انتظار میں وہ اپنا کام نہ روکے بلکہ وہ مشغول رہے، اور اپنے لمحات کو قیمتی اور باکار بنائے، البتہ مقصد حقیقی اس کے سامنے رہے کہ وہ جو کچھ بھی کررہا ہے وہ اللہ کو راضی کرنے اور آخرت کو سنوارنے کے لیے کررہا ہے، اس کے اس عمل سے اللہ کے بندوں کو نفع پہنچے گا، اور یہ چیز اس کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگی، جو بھی جتنا نافعیت پیدا کرلے اور ہر ایک کے لیے بہتر بن جائے تو اس کے لیے سراپا خیر ہے، حدیث میں آیا ہے: "خیر الناس من ینفع الناس" لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ کوشش کرے کہ کس طرح وہ ایک ایک لمحہ کو وصول کرلے، یہی وجہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول کاموں میں اپنے وقت کو برباد نہیں کرتا، اس کا وقت بیکار نہیں جاتا۔ ارشاد نبوی ہے: "من حسن إسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ" یہ اسلام کی خوبیوں اور اس کے محاسن میں سے ہے کہ اس کے ماننے والے فضولیات وخرافات کے بالکل قریب نہیں جاتے۔

مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر وہ کسی ایسے عمل میں مشغول ہے، جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے زیادہ بہتر عمل اختیار کرنا اس کے بس میں ہے تو وہ اکتفا نہیں کرتا بلکہ بہتر کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ ایک طرف وہ مقصدیت کی دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف مقصد حقیقی عطا کرتا ہے، ایک طرف ضیاع وقت اور بیکاری اسلام میں جرم ہے تو دوسری طرف وہ

ہر کام کو خواہ اپنی ضرورت کی تکمیل ہو یا دوسروں کی، ایک خاص رخ دیتا ہے اور اس کی سوئی کو درست کرتا ہے، یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر مسلمان ان کو دھیان میں رکھیں تو دنیا کی قوموں کے درمیان وہ ایک امتیازی شان کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔

اسلام کی اس تعلیم کے باوجود افسوس کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ مسلمان محلوں میں بیکاری نظر آتی ہے، جس مذہب نے سب سے زیادہ مقصدیت کی دعوت دی اس کے ماننے والے سب سے زیادہ بے مقصد زندگی گزارتے نظر آتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ جس طرح دوسرے اسلامی احکامات عام طور پر غفلت وکسل مندی کا شکار ہورہے ہیں، یہ اہم حکم بھی اسی بے توجہی کی نذر ہورہا ہے، خاص طور پر نوجوانوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ قوت عمل عطا فرمائی ہے، یہ مرض عمومی طور پر نظر آتا ہے، ان کی صلاحتیں بے کاری میں ضائع ہورہی ہیں، حدیث میں ہر مسلمان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ: "احرص علی ما ینفعك" انسان کو نفع کا حریص ہونا چاہیے، جو چیز اس کو دین و دنیا میں نفع پہنچائے اس کی فکر رہنی چاہیے، اور ظاہر ہے کہ اصل نفع آخرت کا نفع ہے، یہ دنیا آخرت ہی کے لیے ہے، دنیا کے نفع کو بھی آخرت کے نفع کے ساتھ جوڑا جائے، بس اس میں ذرا دل کی سوئی کو ٹھیک کرنے اور اعتدال کی ضرورت ہے، وہ قومیں جن کے پاس نہ یہ پیغام ہے نہ ایمان ویقین کی مٹھاس ہے وہ دنیا کو مقصد بنا کر کہاں سے کہاں جارہی ہیں لیکن ہم سب کچھ رکھنے کے باوجود غافل ہیں، کاش کہ خود ہمیں اپنی طاقت کا احساس ہوجاتا اور ہم دنیا کو وہ دے سکتے، جس کی دنیا کو آج سب سے زیادہ ضرورت ہے!!!

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	75/-
۲	روداد چمن	200/-
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/-
۴	تمرین الصرف	75/-
۵	رسالۃ التوحید	80/-
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	185/-
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	200/-
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/-
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/-
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/-
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	30/-
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	40/-
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/-
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/-
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاهلی)	165/-
۱۶	مقدمہ شیخ عبد الحق دہلویؒ	75/-
۱۷	اسلام کی تعلیم	21/-
۱۸	تفہیم المنطق	180/-
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	25/-
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/-
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/-
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	70/-
۲۳	اصول الشاشی	60/-
۲۴	علم اصول الفقہ	120/-
۲۵	حیات عبد الباریؒ	150/-
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	210/-
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/-

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ	8960997707
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنؤ	9936635816

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر **مجلس صحافت ونشریات**
ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بحث و نظر

سائنس اور دانش گاہ نبویؐ

ڈاکٹر محمد انس ندوی (سڈنی، آسٹریلیا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَ يُزَكِّيكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُم مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" [سورۃ البقرۃ:۱۵۱] (جیسا کہ ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیجا، جو ہماری آیات تم کو پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے، اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتاتا ہے جس کی خبر تم کو پہلے نہ تھی)۔

اگر چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے مگر علوم میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا، تمام علمی ترقیات جو قیامت تک وجود پذیر ہوں گی ان کا سرچشمہ آپؐ ہی ہیں، جو بھی زبان مبارک سے نکلتا ہے وحی الٰہی اور اشارۂ غیبی ہی ہوتا ہے: "مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى" [سورۃ النجم:۳-۴] (آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے، جو بولتے ہیں وحی الٰہی ہوتی ہے)، اور وہ کتاب الٰہی معجز نما جو آپ کو عطا کی گئی ہر زمانے میں لوگوں کی علمی صلاحیت اور فکری توانائی کے مطابق افشائے راز کرتی رہے گی، اس کتاب کے الفاظ اٹل، اسلوب و ترتیب نا قابل ترمیم و تنسیخ ہے۔ اس کا علم نور ہے جو اس میں غور کرنے والوں کے لیے نئی نئی راہیں کھولتا ہے، اور ظلمت و جہالت کے بادلوں کو چھانٹتا ہے، اسی نور کے سائے میں ترقی کی راہیں تلاش کرنا حکمت ہے، اس حکمت میں دانش، تدبر، تحقیق، معرفت، ایجادات اور عمل صالح وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں۔ وحی الٰہی اور سنت نبویؐ کی روشنی میں عقل سے کام لینا ہی حکمت ہے، قرآن و سنت کو عقل کے دائرے میں محدود کرنا گمراہی اور اتباع خواہشات نفسانی کے سوا کچھ نہیں، نور قرآنی اور اتباع سنت سے بے نیازی فساد کی بنیاد کی ہے۔

آج سائنسی عروج نے انسان کو نئی نئی آگاہیوں سے روشناس کر دیا، قدرت کے پوشیدہ راز مشاہدات میں تبدیل ہو گئے، نئی نئی ایجادات کو اللہ نے انسانوں کے لیے مسخر کر دیا، سمندر کی گہرائیوں اور چاند و سورج کی بلندیوں تک رسائی ہو گئی، مگر اس کا دوسرا رخ یہ بھی ہے یہ تمام تر ترقیات تباہی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتی ہیں، عجب نہیں کہ آخری عالمی جنگ میں ایٹمی توانائی کا استعمال نئی سائنسی تہذیب کو خاکستر کر دے اور سارا عروج و ساری ترقیاں بس ایک افسانہ بن کر رہ جائے۔ اقوام عالم میں تہذیبوں کا بے پناہ عروج اور اس کا گریہ کناں زوال ہمارے سامنے ہے۔ ارشاد باری ہے: "أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ، كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ أَشَدَّ قُوَّةً وَّ آثَاراً فِي الْأَرْضِ، فَمَا أَغْنَى عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ" [سورۃ غافر:۸۲] (کیا یہ کافر زمین میں سیر و سیاحت نہیں کرتے، پس دیکھتے کہ ان قوموں کا انجام کیا ہوا جو تعداد میں ان سے کہیں زیادہ تھے، بڑے طاقتور تھے، اور روئے زمین پر بہت ساری اپنی یادگار بھی چھوڑیں، پر انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا ان کے کام نہ آیا)۔

احادیث نبویؐ میں علمی اعجاز وہ غیبی اشارے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا، یہ غیبی اشارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی مرسل اور آپؐ کے لائے ہوئے پیغام کی صداقت پر واضح دلیل ہیں۔ ان چیزوں کا علم لوگوں کو کما حقہ اس وقت کے محدود علمی ماحول کی وجہ سے نہیں ہو سکا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے علمی ترقیاں ہوئیں، اور اسلامی حدود سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی، بحر و بر، دشت و جبل، صحرا و بیابان ہر جگہ انسانی رسائی ہونے لگی، خالق کائنات کی قدرت کے مظاہر سے اسلامی تعلیمات کی آفاقی و ہمہ گیری بھی عیاں ہوتی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں علمی اعجاز کے معاملے میں اہم اصول و ضوابط کی پابندی ضروری ہے، سند و متن کے اعتبار سے احادیث نبویہ صحیحہ کو ان کے درست الفاظ معانی کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے، اعجاز علمی کو واضح کرنے کے لیے نصوص نبویہ کی تاویل درست نہیں، اور نہ ہی ضعیف و منکر یا موضوع احادیث کو علمی اعجاز کے لیے زیر بحث لانا جائز ہوگا، احادیث نبویؐ میں متعدد مثالیں ملیں گی جن میں علمی اعجاز بہت نمایاں ہے، احادیث رسولؐ میں آیات قرآنی کی توضیح و تفسیر ملتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (رضاعت سے وہ حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب سے ہوتی ہے)۔ علم جدید نے بھی یہ بات ثابت کیا ہے کہ دودھ پلانے سے بچے میں دودھ پلانے والی کی موروثی صفات منتقل ہوتی ہیں، جن بچوں نے ایک ساتھ ایک عورت کا دودھ پیا، ان کے اندر مشترکہ طور پر موروثی صفات پائی جاتی ہیں، اسی لیے حدیث نبویؐ میں رضاعی بہن سے نکاح اسی طرح حرام ہے جیسے کے حقیقی بہن سے۔

حکمت قرآنی کا عملی نمونہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپؐ کا علم وحی ربانی تھا، کسبی نہیں تھا، اللہ نے آپؐ کو علوم واخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا تھا، لہٰذا آپؐ کا علم رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے مشعل راہ رہے گا، انسانی تجسس کے لیے یہ علم حد فاصل اور حد ادب ہے، دانش گاہ نبویؐ ہمیشہ منارہ نور رہے گا۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہدایت ہے جو رہتی دنیا تک رہنما ورہبر ہے، اس کے معجزات کے لیے انتہا واختتام نہیں۔ اسی طرح احادیث نبوی ہیں جو قرآنی آیات کی توضیح وتفسیر کرتی ہیں۔ علمی ترقی نے اکوانِ عالم کے اسرار و رموز پر پڑے پردوں کو عصر حاضر میں متاخرین کے لیے جس طرح اٹھایا ہے اور حقائق کو مشاہدہ کی شکل دی ہے اس طرح علم الیقین عین الیقین میں بدل گیا ہے۔ متقدمین علماء کبار کو باوجود اپنی جلالت شان ورفعت علمی کے ان باریکیوں کا سمجھنا آسان نہ تھا۔ مستقبل میں جیسے جیسے علم ترقی کے مدارج طے کرے گا، اللہ کی قدرت کاملہ وحکمت بالغہ کا ادراک وشعور ایک مؤمن کے ایمان میں مزید اضافہ کا سبب بنے گے۔

اعجاز علمی کی اصطلاح عصر حاضر کی دین ہے، اس کا اصطلاحی معنی یہی ہے کہ قرآن وحدیث نے علمی حقائق کا ذکر خاص طور سے جن کا تعلق آیات کونیہ سے ہے، صدیوں قبل کیا ہے، پر ان کا انکشاف اور علم مشاہدہ صدیوں بعد اس دور میں انسان کو ہو رہا ہے، جو قرآن وحدیث کی حقانیت و صداقت پر واضح دلیل ہے۔

ایک ماہر سائنس کو قرآن کے متن میں پہلے پہل چونکا دینے جو چیز نظر آتی ہے وہ ہے سائنسی موضوعات کا تنوع اور کثرت، اور ایسی صحت کے ساتھ کہ موجودہ سائنس اس کی توثیق کرنے پر مجبور ہے، جزیرۃ العرب کا ایک باشندہ سائنس کے ایسے موضوعات کا علم رکھتا ہے جن کا تعلق دسیوں صدی کی بعد کے دور سے ہے، کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ایک امی کے ہاتھ میں ایسا صحیفہ دیدیا گیا جس کا بنیادی موضوع ایمان وایقان، خشیت و انابت الی اللہ ہے، پھر بھی وہ ایسے علوم کا مخزن ہے جس میں ہر زمانے کی ترقیاتی منصوبوں کے اسرار ورموز پوشیدہ ہیں۔ انبیاء کرام کو جو صحائف دیے گئے، قرآن مجید جو حرف آخر ہے، ان کی جامعیت تک پہنچنا بشری صلاحیت سے ماوراء ہے، اس کے علاوہ قرآن مجید دنیا کی واحد ایسی کتاب ہے جس کی تازگی کسی عصر مخصوص سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ ہر زمانہ اسے اپنی علوفکری سے بالاتر پاتا ہے، ہر دور کی سائنس اسے اپنی عقدہ کشائیوں کے لیے پیش رو پاتی ہے، ہر زمانے کی ادبی کاوشیں قرآن پاک کے ادب وفصاحت و بلاغت کے نیچے نیچے رینگتی نظر آتی ہیں۔

قرآن مجید دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کے بلاتحریف ہونے کے دلائل عصر بہ عصر بڑھتے جارہے ہیں، زمانہ گزرنے کے ساتھ علوم کی گہرائیاں بڑھتی گئیں اور ساتھ میں قرآن کی صداقت بھی مزید ابھرتی گئی، پندرہویں صدی میں سائنس کا عمل دخل ہوا تو قرآنی حقائق اور بھی روشن ہوگئے، عصر حاضر میں موریس بوکائے نے دلائل وشواہد کو اکٹھا کر کے قرآن کے بلاتحریف و ترمیم ہونے کا اعلان کیا۔ اسی طرح ترقیاتی علوم دانش نبویؐ کی سرحدیں کبھی پار نہیں کرسکیں گے، یہ زمانہ سرعت رفتار اور دور بینی کا ہے، آج کے دور کی حیرت انگیز سرعت رفتار کے مقابلہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج یاد کیجیے، آپ ساتوں آسمان کا سفر کر کے واپس تشریف لائے اور یہ پورا سفر لمحوں میں پورا ہوگیا۔

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے معجزات سے نوازا تھا، ان کا مخصوص معجزۃ تمام علوم وکمالات کا ایسا عروج تھا جس کو زوال نہیں جبکہ انسانی تہذیب عروج وزوال کے دائرے میں سفر کرتی ہے، جب لوگ عصری تقاضوں سے بے نیاز ہوکر اپنی افادیت کھودیتے ہیں تو تہذیب کا زوال شروع ہوجاتا ہے، آثار قدیمہ کے ماہرین متفق ہیں کہ ماحول سے بے رخی تہذیبوں کو مٹا دیتی ہے سائنس کا خیال ہے کہ قدرتی سامان معیشت کے غلط استعمال سے تہذیب کو زوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر غور کیا جائے تو بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ حالتیں جو مختلف ماہرین نے پیش کی ہیں فساد فی الارض کی مختلف شکلیں ہیں، ان کے متعلق قرآن عظیم کا ایک ابدی اور حتمی تجزیہ ہے کہ تکبر علمی اور بداعمالیوں کی کثرت کی وجہ سے انسان خود اپنے اوپر تباہی کو مسلط کرلیتا ہے.....

.....بقیہ صفحہ ۲۹ر پر

تعارف وتبصرہ

دل وزبان کا نقطۂ اتصال - اساسِ فکر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

عربی زبان کا لفظ 'شعر' 'شعور' سے مشتق ہے، شاعری کا خمیر شاعر کے شعور سے تیار ہوتا ہے، اور اس کی تپش سے اٹھنے والی دھنک میں لہراتے ہوئے مرغولے افکار وخیالات کی ہیئت اختیار کر لیتے ہیں، انسان پیہم حالات، تربیت، صحبت اور مطالعہ سے اپنے شعور کو بالیدگی اور پختگی عطا کرتا ہے، شعور میں جس قدر ناپختگی ہوتی ہے گفتگو میں اس کا اثر ظاہر ہوجاتا ہے، اور اہلِ نقد کی نظر اس کی پختگی یا عدم پختگی کو بآسانی پرکھ لیتی ہے۔

شعر کی ادائیگی میں دوسرا مرحلہ تعبیر کا آتا ہے، جس میں فنی زبان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شعور کی بالیدگی اور تعبیر کی فنکاری درجہ بندی میں جس قدر باہم قریب ہوتے ہیں اتنا ہی شعر اپنی خِلقت میں توازن اور تناسب کا حامل ہوتا ہے۔ ورنہ اگر دونوں میں تفاوت درجات نمایاں رہے تو کبھی ہم دیکھیں گے کہ زبان وبیان تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے، لیکن معنوی اعتبار سے شعر میں کوئی دَم نہیں ہے، یا پھر معنویت تو خوب پائی جارہی ہے لیکن کلام اس کے ادا کرنے سے قاصر نظر آرہا ہے۔ دونوں صورتوں میں اہلِ ذوق کو تکدر ہوتا ہے، اور وہ اس قسم کی شاعری کو سماعت پر بار اور ذہن پر گراں محسوس کرتے ہیں۔

شعور وتعبیر کا یہ باہمی توازن خواہ درجہ بندی میں کم ہو شاعر کو شاعر تسلیم کراتا ہے، ورنہ شاعری کرنے کا دعویٰ بہت لوگ کرتے ہیں، لیکن ان کی خوش الحانی بھی اہلِ ذوق کی نگاہ میں انھیں شاعر کی حیثیت سے متعارف نہیں کراپاتی، البتہ اگر یہ باہمی توازن بالکل سطحی ہو تو یہ بھی ناقابلِ قبول ہے؛ شاعرانہ مقام حاصل کرنے کے لیے اتنا تو لازمی ہے کہ کم از کم آپ کا کلام ہر دو اعتبار سے عام آدمی کی سطح سے بلند ہو، ورنہ ایک عام سطح کا آدمی بھی اگر آپ کے کلام سے کوئی شعوری فائدہ نہ اٹھا سکے تو یہ یقیناً شاعری کے لیے توہین کی بات ہوگی؛ کیونکہ شاعری ادب کی صنفِ اعلیٰ ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب کے دل میں شعور کی آبیاری کرے تاکہ اس کو ادب کا درجہ دیا جاسکے۔

یہاں سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ شعراء کا مقام اسی بنیادی قاعدہ کی بنا پر طے ہوتا ہے، اہلِ زبان میں شعور وتعبیر کے مختلف و متفاوت درجات کی وجہ سے بعض لوگ کسی کے نزدیک شاعر ہوا کرتے ہیں اور کسی کے نزدیک نہیں۔ بالفاظ دگر جو طبقہ شعور وتعبیر میں شاعر سے اونچا مقام رکھتا ہے' اس کے نزدیک وہ شاعر نہیں ہوتا یا قابلِ التفات نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے کلام سے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، البتہ نچلے طبقہ کے لوگ اس کو شاعر مان لیتے ہیں؛ کیونکہ اس کا کلام ان کے لیے قابلِ استفادہ ہوتا ہے۔

جناب رحمت لکھنوی کو جو حِس اور شعور حاصل ہوا ہے' وہ اہلِ فکر، اہلِ صلاح، اہلِ تہذیب اور اہلِ علم کی صحبتوں اور تحریروں سے حاصل ہوا، ان کی فطرت کی زمین اس شعور کی تخم ریزی کے لیے بڑی سازگار رہی۔ نتیجۃً ان کی ظاہری و باطنی شخصیت کی تشکیل میں دونوں خوبیوں نے بڑا کردار ادا کیا، وہ ایک اچھے اور نیک شعور کے مالک انسان بنے۔

دوسری طرف انھیں دبستانِ لکھنؤ کی سکونت مفید رہی جو کہ اردو زبان کے حوالہ سے اعتبار واستناد کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں انھوں نے اہلِ شعر وادب کی بڑی تعداد کو دیکھا اور ان سے فیض اٹھایا۔ ان کی فطری صلاحیت نے یہاں بھی ان کی مدد کی، جس کی بنا پر وہ اساتذۂ فن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے، وہ ایک قادرالکلام شاعر ہی نہیں' ادب وفن کی کتابوں پر 'تبصرہ نویسی' کے ذریعہ اور شعری نشستوں اور مشاعروں میں حسنِ نظامت کے لیے بھی کافی معروف ومقبول ہیں۔

اس شعری مجموعہ میں رحمت صاحب کی شاعری 'شعور وتعبیر' کے توازن و تناسب سے عبارت ہے، اور وہ فن کی طبقاتی درجہ بندی میں بھی خاصی بلندی پر ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں زندگی کے حالات، تجربات ومشاہدات اور اپنی طبیعت وفطرت کی خوب ترجمانی کی ہے۔ جو اقدار وافکار انھوں نے اپنے کلام میں پیش کی ہیں وہ صالح اور قابلِ اتباع ہیں، اور جو طرز ادا انھوں نے اختیار کی ہے' اس میں زبان دانی کا وافر حصہ ہے۔ ان کے اس مجموعہ میں ایمان و یقین و توکل علی اللہ اور عشقِ رسولؐ و حب

صحابہؓ کے ساتھ مصائب و مسائل کے خلاف بلند حوصلگی اور اولوالعزمی پائی جاتی ہے، وہ محبت کی سربلندی اور نفرت کی سرکوبی کے علم بردار ہیں، وہ منافقت سے شاکی و بیزار ہیں اور انسانیت کو 'آدمیت' کی بنیاد پر متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں، وہ زندگی کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں، خود کو آزمائشوں میں تپا کر دوسروں کے لیے روشنی کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، ایذا رسانی سے وہ حد درجہ گریز کرتے ہیں، ان کے کلام میں خودداری و عفت مآبی کا عنصر بڑا نمایاں ہے، وہ فن واہلِ فن کی ناقدری سے ناراض ہیں اور سیاست سے کوسوں دور۔ یہ تمام اقدار اور اس طرح کی مزید اعلیٰ افکار ''اساسِ فکر'' میں قاری کو جستہ جستہ نظر آتی ہیں، اور اس کے شوقِ مطالعہ کو مہمیز دیتی ہیں اور خواہ وہ وجہ نہ بتا سکے لیکن اس کو احساس ہوتا ہے کہ اس شاعری میں کچھ ایسا بانکپن ہے جو دیگر سے اسے ممتاز کرتا ہے۔

''اساسِ فکر'' ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو منظرِ عام پر آرہا ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ کافی تاخیر سے آرہا ہے؛ ورنہ وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، عرصہ قبل وہ شاعری کے اس مقام پر پہونچ چکے تھے جہاں ان کے کلام کی قدر کی گئی اور ان کو شاعر تسلیم کیا گیا، تاہم اس تاخیر کا فائدہ یہ ضرور ہوگا کہ آج وہ خود اس مذاق کے ہیں کہ اپنے کلام کا حسنِ انتخاب کرسکیں، اور یہ چیز ان کے اس مجموعہ کو معتبر بناتی ہے۔

نمونے کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

حمد:

مالکِ کل خالق ارض و سما تو ہی تو ہے
قصرِ دل میں ہر نفس جلوہ نما تو ہی تو ہے

دشت و صحرا، کوہ و دریا، انجم و خورشید و ماہ
عظمت و رفعت سے سب کی ماورا تو ہی تو ہے

نعت:

آپؐ کی سیرت کا آئینہ ہے قرآنِ مبیں
پاک و طاہر کس قدر اللہ اکبر آپ ہیں!!
آپؐ کا کلمہ کلیدِ جنت الفردوس ہے
سرورِ خلدِ بریں بھی، خُلد پیکر آپ ہیں

متفرقات:

سروں کے لے کے نذرانے جو راہِ حق میں نکلے ہیں
امیرِ شہر سے وہ لوگ کب فریاد کرتے ہیں؟
ہمیں سجدوں کی قیمت کا اگر ادراک ہوجاتا
یہ پیشانی ترے در کے علاوہ خم نہیں ہوتی

اذیتوں کی شکایت کبھی نہیں کرتا
میں آنسوؤں کی تجارت کبھی نہیں کرتا
تباہ رسمِ محبت کبھی نہیں کرتا
میں دشمنوں سے بھی نفرت کبھی نہیں کرتا
مرے لہو میں رواداریوں کی خوشبو ہے
میں ترک اپنی شرافت کبھی نہیں کرتا

خدا جانے ہمارے دوست کیونکر
ہمارا قد گھٹانا چاہتے ہیں؟
اندھیرا بڑھ رہا ہے اور ہم خُود
چراغوں کو بجھانا چاہتے ہیں

ہم نے تو پارسائی کا دعوا کیا نہیں
ہم نے یہ کب کہا کہ گنہ گار ہم نہیں
شیریں سخن ہیں، اس لیے لہجہ میں ہے مٹھاس
تسکینِ جاں ہیں، باعثِ آزار ہم نہیں
حق بات کو بیانگِ دہل کہتے آئے ہیں
رحمتؔ کسی کے حاشیہ بردار ہم نہیں

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۷ر کا

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دنیا ہی میں ایسی سزاؤں میں مبتلا کردیا جاتا ہے جو تہذیبوں کے عروج کو زوال میں تبدیل کردیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" [سورۃ الروم: ۴۱] (خشکی و تری میں فساد برپا ہوگیا ہے، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے، تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آجائیں)۔ حالیہ ماہرین سائنس بھی انسانی بدکرداریوں کو ارضی تغیرات کا محرک سمجھنے کی طرف مائل ہیں۔ ہاروے ڈے اپنی کتاب (Hidden Power of Viberation) میں دعوی کرتا ہے کہ: ''جب دنیا میں بہت زیادہ برائیاں پھیل جاتی ہیں تو زمین کا ہالہ (Aura) مکدر ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے طغیانیاں، زلزلے اور لاوے وجود میں آتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ترقیوں کا گلا گھٹتا ہے اور تہذیبیں زمین دوز ہوجاتی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حکمت قرآنی کے بغیر ترقیاتی علوم ترقی معکوس ہے، اسی طرح ترقیاتی علوم کا غیر معتدل استعمال فساد کا پیش خیمہ ہے، اعتدال کی راہ صرف قرآن وسنت کی روشنی ہی میں مل سکتی ہے، عذاب انسانی بداعمالیوں کا فطری نتیجہ ہے جو تہذیبوں کے لیے پیمانۂ اجل ہے، علوم ومعارف کی ترقی تہذیبوں کے عروج کا سبب اسی وقت بن سکتی ہے جب اس کی بنیاد قرآنی حکمت اور اتباع انبیاء ورسل پر قائم ہو۔

☆☆☆☆☆

پرانے چراغ

داعیٔ اسلام مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

کہکشاں کی انجمن میں ماہ تمام

محمد نفیس خاں ندوی

دعوتی وتحریکی شخصیتیں کبھی مردہ نہیں ہوتیں، وہ زندہ جاوید ہیں کیونکہ ان کی زیست کا تسلسل دعوت کے تسلسل سے قائم ہے، تاج محل کی حسین آرائشوں، عالیشان مقبروں میں سونے والے آج محض آثار قدیمہ کی یادگار ہیں، لال قلعہ کے زائرین دیوان عام ودیوان خاص کی پیشانی پر فردوس بریں کا ٹیکہ دیکھ سکتے ہیں جو اپنے پیش رو آقاؤں کو آواز دے رہا ہے کہ نو سو برس کی کشور کشائی کے بعد بھی سرزمین ہند تمہیں اپنا نہیں بنا سکی، آج بھی تم اس کے سینہ پر ایک بوجھ ہو، اور ایک حملہ آور کے نام سے یاد کیے جاتے ہو، صرف اس لیے کہ دعوت وعزیمت کی راہ سے تم نا آشنا تھے، اس کے برخلاف سید احمد شہیدؒ، مجدد الف ثانیؒ، خواجہ اجمیریؒ، نظام الدین اولیاءؒ، یحییٰ منیریؒ، اشرف علی تھانویؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جیسے افراد زندہ جاوید ہیں، وہ آثار قدیمہ یا میوزیم کی زینت نہیں بلکہ وہ ارواح وقلوب کی زینت ہیں، ان کی حکومت آج بھی دلوں پر قائم ہے، بیشتر سلاطین ہند آج تاریخ کے صفحات میں گم ہیں لیکن یہ سلاطین و اولیاء اپنی دینی دعوت کی وجہ سے آج تاریخ کے زندہ ابواب ہیں، اسی دعوت اور سلسلۂ افکار کی ایک سنہری کڑی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی بھی تھے، یہ سلسلہ اور اس سلسلہ کی اس اہم کڑی کو نہ موت ہے اور نہ قیامت تک اس کو فنا ہے، دعوت محمدیؐ اور دعوت اسلامی کا یہ قافلہ ہمیشہ یوں ہی رواں رہے گا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے فکر وفن کا اصل سرچشمہ اور شخصیت کا تخلیقی عنصر خود ان کے گھر کا ماحول ہے، مولانا ایک ایسے گھرانہ کے چشم وچراغ تھے جس کا نسبی اور معنوی رشتہ حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ علم اللہؒ سے ہوتا ہوا سبط رسول آقائے دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوتا ہے، یہ خاندان علماء ومصنفین، دعاۃ وغزاۃ کا خانوادہ ہے اور ''ہمہ آفتاب است'' کا مصداق۔

دائرۂ شاہ علم اللہ میں آباد یہ گھرانہ ایک ایسا گھرانہ ہے جہاں ہر طرف تبلیغ دین اور دعوت دین کا چرچہ رہتا ہے، جہاں کی فضا میں صحابہ کرامؓ کے تذکروں کا رس گھلا ہوا ہے، جہاں اسلامی تاریخ اور غزوات کے قصے سنائے جاتے ہیں، جہاں حضرت شاہ علم اللہؒ کے اتباع سنت کو سینہ سے لگایا جاتا ہے، جہاں سید احمد شہیدؒ کے جہاد کی داستانیں دلوں کو مہمیز کرتی ہیں، جہاں حضرت شاہ ضیاء النبیؒ کی للّٰہیت کے انمٹ نقوش ذہنوں کو غذا پہنچاتے ہیں، جہاں علامہ عبدالحی حسنیؒ کا اخلاص اب بھی رگوں میں نیا خون پیدا کر رہا ہے، جہاں ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ کی بیدار مغزی، دینی حمیت اور دعوتی مزاج ایک مشن کی طرح زندہ ہے، جہاں مولانا سید محمد الحسنیؒ کے قلمی جہاد کی سیاہی اب بھی مختلف عنوانوں سے دلوں کو مسخر کر رہی ہے، جہاں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دردمندی، ان کا سوز وان کی فکرمندی، ملت کے لیے ان کی تڑپ اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لیے ان کی تگ ودو ایک لائحہ عمل کی طرح تابندہ وروشن ہے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی شخصیت ایک عطر مجموعہ تھی، ان کا دل چیر کر دیکھا جاتا تو ان کے سویدائے دل کے اندر حسین اور شامہ نواز گلاب کی پنکھڑیاں رکھی ہوئی دکھائی دیتیں، ان کا شگفتہ اور مسکراتا ہوا چہرہ ان کے آئینۂ دل کا غماز تھا، ان کی جسمانی ساخت، پیشانی کی کشادگی، پر وقار اور تیز چال ان کی مجاہدانہ شان اور بیباکانہ فطرت کی گواہ تھی، وہ بولتے تو معلوم ہوتا کہ مصری ڈلی چبا رہے ہوں اور اپنے مخاطب کا من موہ رہے ہیں۔

مولانا کو عربی زبان پر اس قدر عبور تھا کہ زبان یا محاورے کی غلطی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، وہ ایک منجھے ہوئے پختہ کار وکہنہ مشق صاحب قلم بھی تھے، ان کی تحریر حلاوت وروانی کے ساتھ برجستگی سے عبارت ہوتی تھی، وہ اگر تصنیف کے کام میں مسلسل حصہ لیتے اور اگر ان کی دوسری مصروفیات اس راہ میں حائل نہ ہوتیں تو ان کا شمار ہندستان کے عظیم مصنفوں اور اہل قلم میں ہوتا۔

مولانا مرحوم جس درجہ کے صاحب قلم تھے اسی درجہ کے خطیب اور مقرر بھی تھے، مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں کے درمیان خاص کر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مخلوط

اجتماعات اور خالص غیر مسلم مجمعوں میں وہ جس طرح اصلاحی اور دعوتی تقریر کرتے تھے، وہ انہی کا حصہ تھا۔ مولانا کی تقریر کیا ہوتی، قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور سلف صالحین کے مستند واقعات کا گندھا ہوا ایک گلدستہ ہوتا، اپنی تقریر میں لطیفے اور گھریلو قصے بیان کر کے ان کو کلام پاک کی آیات، حدیث کی روایات اور اسلامی تاریخ کے واقعات سے اس طرح جوڑ دیتے کہ ان سے نہ صرف ان کی بالغ نظری اور روشن ضمیری کی فضا پیدا ہو جاتی بلکہ سامعین بھی اپنی روح میں ایک طرح کی بالیدگی اور ذہن میں ایک قسم کی بیداری محسوس کرتے۔

آپ ایسے مزاج شناس اور نباض تھے کہ جس سے بات کرتے یا جس محفل میں خطاب کرتے اس کے مزاج اور اس ماحول کو ملحوظ رکھ کر مثالوں اور دلیلوں سے مطابقت پیدا کرتے، اپنی بات افکار و اذہان سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے کہ آسانی سے لوگوں کے دلوں میں اترتی چلی جاتی، ان کی تقریروں میں بلا کی جاذبیت و کشش اور حرارت و شعلگی تھی، آواز کی متانت و گھن گرج، طرز ادا کا زیر و بم، اور چہرہ کا اتار چڑھاؤ سامعین کو اپنی طرف کھینچتا چلا جاتا، اور ایسی محویت کا عالم طاری ہوتا کہ تقریر کا طلسم اختتام پر ہی ٹوٹتا۔

اگر ایک طرف ناقدر شناسان مذہب ان کی تقریروں کے طفیل دینی مزاج سے روشناس ہوئے تو دوسری طرف بے جان قلوب کو ان کے کلمات نے سرگرم مچلتی ہوئی روح دے کر ایک حیات متحرکہ کا تحفہ عطا کیا۔

مولانا ایک حساس دل اور اثر پذیر طبیعت کے مالک تھے، جس کے بغیر کوئی ادیب ادیب اور کوئی فنکار فنکار نہیں بنتا، دل بے تاب اور شب بے خواب کی اگر مسلسل جراحتیں میسر نہ ہوں تو نہ قلم سے کوئی اثر انگیز تحریر نکلتی ہے اور نہ زبان سے دلوں کو فتح کرنے والی کوئی تقریر۔

مولانا کو تحریر کا ملکہ بھی ملا تھا، اور زبان و بیان پر مکمل قدرت بھی حاصل تھی لیکن نہ تحریر مولانا کی جولان گاہ تھی اور نہ خطابت سے فطری مناسبت، بلکہ ان کی ساری سرگرمیوں کا محور اور ان کی جملہ تگ و دو کا حاصل دعوت دین کی کوششیں تھیں، اس تقاضہ کے تحت وہ قلم بھی اٹھاتے، اس جذبہ کے تحت وہ وہ تقریریں بھی کرتے اور اسی مقصد کے تحت ''پیام انسانیت'' کے اسٹیج سے وہ انسانیت کی مسیحائی کی کوششیں بھی کرتے۔

مولانا بہت اچھے لکھنے اور بولنے کے علاوہ بہت اچھے سننے والے بھی تھے، ایسے ایسے لوگوں کو برداشت کرتے جن کے تصور سے ہی کوفت ہوتی تھی، طبیعت کی خرابی، مزاج کی عدم مناسبت اور دیگر اہم مصروفیات کے باوجود آپ بہت سے جاہلوں کی عالمانہ باتیں بڑی توجہ سے سنتے، اور پھر اپنے دعوتی مزاج اور حکیمانہ بصیرت سے ان کی ایسی رہنمائی فرماتے کہ ایک لاابالی شخص اپنے حال پر فکر مند ہو جاتا، اور بے مقصد زندگی کو زندگانی کا سرامل جاتا، اور یہ سب اسی لیے ممکن تھا کہ آپ صرف ایک داعی تھے، اور آپ کا ہر کام اخلاص کے ساتھ اور استحضار نیت کے ساتھ ہوتا تھا، یہ آپ کی وہ خوبی تھی جس نے آپ کی صحبت کو کیمیا اثر بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کے دل کو اسلام کی محبت اور ملت کے درد سے سرشار کر دیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ مولانا مرحوم کے سینہ میں اشاعت اسلام و دعوت دین کی ایک آگ سی لگی ہوئی ہے جو انھیں کسی کل چین لینے نہیں دیتی، مسلمانوں کی بے دینی اور غیر مسلموں کی گمرہی پر مولانا سیمابی کیفیت میں رہا کرتے اور اس کا نتیجہ تھا کہ مسلسل بیماری اور صحت کی خرابی کے باوجود سفر پر سفر کرتے رہے، دن کا سکون تج دیا، راتوں کی نیندیں قربان کر دیں، اور وہ سارے کام کیے جن سے طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں تھی، اور یقیناً دعوت دین کا جذبہ اور اس کے لیے سرشاری کی دولت نصیب نہ ہوتی تو یہ انتھک محنتیں اور یہ بے مثال قربانیاں بھی ممکن نہ ہوتیں۔

نفاست اور سلیقہ، سادگی و پرکاری آپ کی طبیعت کے نمایاں اوصاف تھے، لباس سے لے کر رہن سہن، گفتگو تحریر و انشاء میں بھی یہی کیفیت تھی، بلکہ ادبی حسن کا وہ فطری ادراک رکھتے تھے، آپ سخن فہم ہی نہیں سخن شناس بھی تھے، آپ کو اعلیٰ اور پاکیزہ ذوق جمال فطرت سے ودیعت ہوا تھا، آپ اچھے جملے اور دلکش تعبیر پر بے اختیار داد دیتے، خوبصوت اشعار پر جھوم اٹھتے، اور مزہ لے لے کر پڑھتے، اور اگر اچھی آواز والا کسی عارف کا کلام سناتا تو ''سماع'' کی محفل دیر تک سجی رہتی، خاص کر جب مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ یا مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا کلام سنایا جاتا تو مولانا پر ایک خاص کیف طاری ہو جاتا، مولانا اپنے خاص داعیانہ مزاج میں آجاتے اور پھر اصحاب دل و ذوق کا تذکرہ شروع ہو جاتا جس سے دلوں میں حرارت کی پیدا ہو جاتی۔

مولانا مرحوم کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا ان

سب کو اعتراف ہے جنھوں نے آپ کی تحریریں پڑھی ہیں، یا آپ کو کسی مجمع میں گل افشانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن ان کی زندگی کا وہ نمایاں پہلو جسے دیکھنے کا ہر شخص کو موقع نہیں ملا وہ تھی ان کی مروت وتواضع، خندہ جبینی وشیریں گفتاری، خودنمائی ونام نمود سے پرہیز۔ حیات اجتماعی کے تلاطم کے دھارے میں ان کا دامن کسی شکوہ وشکایت، کسی کی اذیت وحق تلفی، کسی کی گرانی وانقباض سے آلودہ نہیں ہوا، وہ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، ہر ایک کے بہی خواہ اور خیر خواہ بن جاتے، ہر ایک کی ترقی اور اس کی صلاحیت کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو طبیعت کی سادگی اور فطرت کی معصومیت سے نوازا تھا، کسی کو نقصان پہنچانے یا کسی کا دل دکھانے کی یا تو ان میں صلاحیت نہ تھی یا بشری تقاضے کے تحت تھی تو اس قدر محدود کہ پوری زندگی میں اسے کبھی استعمال ہی نہیں کیا۔ ہر ایک سے محبت وسادگی سے ملنا، اس کا حال احوال پوچھنا، اس کی ضرورتوں سے واقف ہونے کی کوشش کرنا، اور پھر اس کی مدد کرنے کی سعی کرنا، یہ نمایاں اوصاف مولانا کی کتاب زندگی کے بنیادی ابواب ہیں۔

مولانا اپنی لطافت شعور اور ذکاوتِ فہم کی بنا پر مختلف فنون کے مزاج اور اس کی روح سے واقف تھے، موضوع کی گہرائیوں تک پہنچ جانا اور اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر لینا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، وہ ملی جد وجہد کے ہر میدان سے آشنا اور اس کے مفید ومضر پہلوؤں سے باخبر تھے، اپنی لطافتِ شعور، ذکاوتِ فہم، غیرتِ دینی اور فراستِ ایمانی کی بنیاد پر اسلام کی خاطر اور اسلام کے نام پر جو تحریک وجماعت یا شخصیت سرگرم دکھائی دیتی اس کی پوری واقفیت حاصل کرتے، مفید مشورے بھی دیتے، اور ضرورت محسوس ہونے پر تعاقب سے بھی گریز نہ کرتے۔

دینی علوم میں جو کتابیں طبع ہوئیں مولانا مرحوم ان کتابوں کے موضوعات، ان کے درجات ومقام اور ان کے مصنّفین کی منزلت کا تفصیلی علم رکھتے تھے، اور جب کسی کو کوئی کتاب پڑھنے کی ہدایت دیتے تو اس کتاب کی اہمیت اور اس کے مصنف کے مقام ومنزلت سے بھی آگاہ فرمادیا کرتے تھے، جس سے طلباء کو کتاب پڑھنے میں اور اس سے استفادہ میں بڑی مدد ملتی، جہاں مولانا غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کے لیے ایک بہترین مرشد ورہنما تھے، وہیں درسیات میں اردو شروح کو طلباء کے لیے سم قاتل سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

جن لوگوں نے مولانا کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ مولانا خصوصی طور پر ندوہ کے طلبہ اور اپنے متوسلین کی فلاح و بہبود کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے تھے، ذہن وفکر کو صحیح سمت میں موڑ دینا اور طالب علم کی فکر وتدبر کے لیے ایک وسیع میدان مہیا کر دینا مولانا کی خصوصیت خاصہ تھی۔

مولانا مرحوم ایک ٹکسال تھے جہاں کے ڈھلے ہوئے سکے دنیا کے ہر بازار کو خریدنے کی جرأت رکھتے ہیں، وہ ایک گنجینہ تھے جن کے سینہ میں علوم ومعارف کے خزینے مدفون تھے، وہ ایک منارۂ نور تھے جس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے مسافر منزل کا پتہ پاتے تھے، وہ ایک نباض وقت تھے جن کے سامنے لوگوں کے امراض عیاں تھے اور وہ ہر مرض کے نسخۂ اکسیر کے مالک تھے، وہ ایک قطب نما تھے جس کی رہنمائی میں اللہ والے اپنے دلوں کا قبلہ درست کرتے تھے۔

لیکن آہ! کتنا تڑپانے والا تھا وہ لمحہ جب دلوں کو فتح کرنے والا اور محفلوں پر چھا جانے والا مرد آہن اسپتال میں موت وزیست کی کش مکش کا شکار بنا ہوا تھا، کتنی صبر آزما تھی وہ گھڑی جس نے ایک متحرک اور سیماب صفت انسان کو علالت کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا تھا کہ ہلنا بھی مشکل ہو گیا تھا، لیکن قربان جایئے اس عظیم ہستی پر! نہ زبان سے کوئی شکوہ، نہ مزاج میں کوئی ترشی، آنکھوں میں فاتحانہ چمک، چہرے پر بشاشت اور زبان سے ذکر الٰہی کے زمزمے جاری رہے اور اسی روحانی کیف میں فرشتوں کے جلو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو گئے۔

مولانا کی زندگی دعوت دین کے لیے وقف تھی، انھوں نے اپنی ہر طرح کی صلاحیت کو اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا، ان کی فعال شخصیت، سرگرم عمل زندگی، تڑپ وکڑھن سے آراستہ صبح وشام، امت کے لیے دردمندی و فکرمندی اور ان کا سیماب وجود تو اب حشر کے دن ہی دیکھنے کو ملے گا، اگر تکیہ میں قبروں پر کتبہ لگانے کا چلن ہوتا، اور مولانا مرحوم کی قبر پر کتبہ کے لیے مجھے کسی عبارت کے انتخاب کی اجازت دی جاتی تو میں اس آیت کا انتخاب کرتا: یاأیتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ رہے نام اللہ کا!

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: کیا بینک سے حاصل شدہ سودی رقم بحالت مجبوری کسی کو رشوت میں دی جاسکتی ہے، اگر رشوت نہ دی جائے تو کام ہونا مشکل ہوجائے اور نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: رشوت دینا خود حرام ہے اور رشوت کے ساتھ اس میں سود کی رقم دینا دہرا گناہ ہے، اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی ناحق ظلم سے بچنے کے لیے رشوت دینے پر مجبور ہو جائے تو اس صورت میں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی مقامی دارالافتاء کے مفتی کے سامنے سارے احوال رکھ کر ان سے رائے لی جائے وہ جو رائے دیں اس پر عمل کیا جائے۔

سوال: سود کی رقم یتیم لڑکی کی شادی میں دے کر یا بیمار شخص کی مدد کر کے ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: سود کی رقم ثواب کی نیت سے دینا گناہ ہے کیونکہ مال حرام سے صدقہ کرنا صدقہ کی توہین ہے، البتہ بلانیت صدقہ یتیم لڑکی کی شادی یا بیمار شخص کے علاج کے لیے سود کی رقم دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کے محتاج ہوں اور شادی اور علاج کے لیے ان کے پاس جائز رقم موجود نہ ہو۔

[ردالمحتار: ج۷/ص۲۲۳]

سوال: کیا حاصل شدہ سود کی رقم کسی ضرورت مند یا غریب کو بطور قرض حسنہ دے کر واپس شدہ رقم اپنے مصرف میں لاسکتے ہیں؟

جواب: سود کی رقم قرض میں دینا، پھر قرض سے واپسی کے بعد اسے اپنے مصرف میں لانا جائز نہیں، اگر سود کی رقم کسی مسلمان کے پاس آجائے تو اسے چاہیے کہ بلانیت صدقہ وثواب غربا پر خرچ کردے۔

[بذل المجہود: ج۱/ص۳۷]

سوال: بکر نے زید سے قرض لیا لیکن تقریبا ۱۰۰ سال سے زید کا علم نہیں اور بکر قرض ادا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح ادا کرے، کیا ان کے ورثاء کو قرض ادا کرنے سے ادائیگی ہوجائے گی؟

جواب: اگر بکر نے زید سے قرض لیا ہو اور زید کا علم نہ ہو اور نہ اس کے ملنے کی امید ہو، البتہ ان کے ورثاء کا پتہ ہو تو اس صورت میں زید سے لیا گیا قرض ان کے ورثاء کو دیا جائے گا، اس طرح قرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔

[ردالمحتار علی الدر المختار: ج۶/ص۴۴۳]

سوال: ایک شخص کے دادا نے قرض لیا تھا لیکن ادائیگی سے پہلے ان کی وفات ہوئی اور انہوں نے کسی وارث کو قرض ادا کرنے کی وصیت نہیں کی، اب ان کے ورثاء ان کی جانب سے قرض ادا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا قرض کی ادائیگی ہوجائے گی؟

جواب: اگر کسی نے قرض لیا ہو اور قرض ادا کرنے سے پہلے ان کی وفات ہوجائے تو ان کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی کی جائے اور اگر میت نے قرض کی ادائیگی کی وصیت نہیں کی اور ورثاء ادا کردیں تو یہ بھی کافی ہوجائے گا۔

[درمختار: ج۲/ص۵۳۳]

سوال: قرض کی ادائیگی کے وقت قرض سے زیادہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ زیادتی عقد میں مشروط نہ ہو بلکہ اتفاقاً قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دیدیا جائے؟

جواب: قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دیدیا جائے جبکہ زیادتی عقد میں مشروط ہو اور نہ اس کا رواج ہو کہ زیادتی کی امید کی جاتی ہو، تو ایسی صورت میں قرض سے زیادہ دینا درست ہے۔

[جامع ترمذی: ج۱/ص۲۴۰]

سوال: آج کل لوگوں میں بلاضرورت قرض لینے کا کافی رواج ہوگیا ہے، کیا بغیر مجبوری بھی قرض لینا جائز ہے؟

جواب: احادیث نبویؐ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مقروض بننا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے اور جب تک کوئی واقعی حاجت درپیش نہ ہو حتی الامکان اس سے بچنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقروض بننے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

[صحیح بخاری: ۲۳۹۷]

سوال: قرض لینے کے بعد اسکی ادائیگی کی فکر نہ کرنا یا ادا کرنے کی پوزیشن ہو اس کے باوجود ٹال مٹول سے کام لینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: ضرورت کے وقت ادائیگی کی نیت سے قرض لینا جائز ہے، لیکن قرض لے کر اس سے غافل ہوجانا اور ادائیگی کی نیت نہ کرنا جائز نہیں، حدیث نبویؐ میں ہے کہ غفلت کے تین درجے ہیں: ان میں سے ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی قرض کی ادائیگی سے اس طرح غافل ہوجائے کہ وہ اس پر سوار ہوتا چلا جائے، اور اس کا خوف اس پر مسلط ہوجائے۔

[شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۴۲۸۵]

دوسری حدیث میں ہے کہ: مالدار شخص کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ [ترمذی]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۱۰ر فروری ۲۰۲۲ء

Date 10 February 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ر فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ-/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذٰلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 7275265518
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)
تعمیرات
A/c. No. 1086 3759 733
ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا